محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۵

ہیرا دیوی

اشتیاق احمد

بار اوّل — یکم نومبر ۱۹۸۴ء
طابع — اشتیاق احمد
مطبع — زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس — محمد سعید نامدار، رائیونڈ
سرورق — محمد جاوید چغتائی، لاہور
طباعت سرورق — سپریم پرنٹرز، لاہور
قیمت — چھے روپے

اشتیاق پبلیکیشنز راجپوت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

حدیث شریف:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فحش گوئی، لعن طعن اور سب و شتم سے پاک تھی: ناراضی اور عتاب کے موقعے پر آپؐ فرمایا کرتے تھے، اسے کیا ہو گیا ہے' اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

(رواۃ البخاری: مشکوٰۃ)

دو باتیں

اس بار کی دو باتیں بہت ٹیڑھی ثابت ہوں گی۔ اس لیے کہ میں ان میں ایک ٹیڑھے مسئلے کی طرف آ رہا ہوں۔ یہ مسئلہ نہ صرف میرے لیے، بلکہ آپ کے لیے بھی ٹیڑھی کھیر ہے اور مدت سے چلا آ رہا ہے — آپ حیران ہوں گے، شاید تھوڑے سے پریشان بھی کہ آخر ایسا کون سا مسئلہ ہے، جو اونٹ کی کلوں کی طرح ٹیڑھا ہے، تو سنیے: وہ مسئلہ ہے، کاغذ کا مسئلہ۔

ہو سکتا ہے، یہ الفاظ پڑھ کر آپ ناک بھوں چڑھائیں، لیکن کیا کیا جائے۔ حالات سے آپ کو مطلع کرنا میرا فرض ہے۔ ان دنوں بازار میں کاغذ پھر نہیں مل رہا۔ چور بازاری کی انتہا ہو چکی ہے۔ گوداموں میں کاغذ موجود ہے، لیکن فروخت نہیں کیا جا رہا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سفید کاغذ مل نہیں رہا اور اس کی وجہ سے یار لوگوں نے اس کاغذ کے نرخ بہت بڑھا دیے ہیں، اور بڑھا کیا دیے ہیں، کاغذ کی فروخت بند ہی کر دی ہے، تاکہ اور نرخ بڑھے۔ ضرورت مند خریدنے پر مجبور ہوں اور ان کی چاندی بن جائے۔

آپ جانتے ہی ہیں، میں اس معاملے میں کس قدر عاجز اور بے بس ہوں، ہر ماہ ایک مقررہ تاریخ کو اگر کتابیں بازار میں نہ آئیں تو آپ میرا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ خود نہیں، اپنے خطوط کے ذریعے — کاغذ اگر ملتا بھی ہے تو قریباً تیس روپے فی رم زائد قیمت ادا کرنے کے بعد — آپ اندازہ لگا ہی سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ واقعی کس قدر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ ان حالات میں اگر میں ۵۰ پیسے فی کتاب قیمت میں اضافہ کرتا ہوں تو یہ مسئلہ آپ کے لیے بھی اتنا ہی ٹیڑھا ہو جاتا ہے، آپ مجھے ڈاکو کا خطاب دے ڈالتے ہیں — ڈاکو ہی نہیں، اور بھی نہ جانے کیا کچھ سننا پڑتا ہے — اب کیا جائے تو کیا....

اس بار کی دو باتیں کچھ زیادہ ہی ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ کیا آپ انہیں سیدھا کر سکتے ہیں۔ کم از کم یہ میرے بس کی تو بات نہیں ہے —

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے،
یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت نماز کا تو نہیں؟
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا؟

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص،
اشتیاق احمد

یہ کیا مشکل ہے

"اے ـ تم مسلمان ہو یا ہندو؟"

اُنھوں نے چونک کر سوال کرنے والے کی طرف دیکھا، شکل صورت سے وہ کوئی ہندو نظر آ رہا تھا ـــ

"شکر الحمدللہ ـ ہم مسلمان ہیں ـ آپ شاید ہندو ہیں۔" محمود بولا۔

"ہاں ـ آجاؤ بھئی ـ یہ مسلمان ہیں۔" اس نے اپنے پیچھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

فوراً پانچ ہندو درختوں کے پیچھے سے نکل کر ان کے سامنے آگئے ـ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چھرے تھے۔

"کر دو ان کا کام تمام۔" اُس نے حکم دیا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بوکھلا اُٹھے ـ وہ تو شام کی سیر کے لیے نکلے تھے ـ آج موسم بہت خوش گوار تھا، سیاہ بادلوں نے پورے شہر پر سایہ کر رکھا تھا اور سرد ہوائیں چلنا شروع ہو چکی تھیں ـ شدّت کی گرمی کے بعد آج ہی تو سیاہ بادلوں نے صورت دکھائی تھی ـــ

ایسے میں وہ سیر کو کیوں نہ نکلتے۔ انھوں نے تو اپنے ابا جان اور امی جان کو بھی دعوت دی تھی۔ لیکن انسپکٹر جمشید دفتر کی فائلیں گھر لے آئے تھے اور انھیں فائلوں سے نبٹنا تھا، جب کہ بیگم جمشید سیر اور تفریح کے نام سے یونہی گھبراتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا۔ عورتوں کے لیے تو بہترین جگہیں ان کے گھر ہی ہیں، نہ کہ سیر سپاٹوں کے مقامات، لہٰذا وہ تینوں ہی سیاہ بادلوں کا لطف اٹھانے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اب انھیں کیا معلوم تھا کہ جنگل میں ہندوؤں سے ملاقات ہو جائے گی۔

"بھاگو!" محمود چلا اٹھا۔

تینوں دم دبا کر بھاگے۔ لیکن ہندو بھی دوڑنے میں ان سے کم نہیں تھے۔ تیر کی طرح اُن کی طرف آئے اور پھر ان میں سے تین ان سے آگے نکل گئے۔ آگے نکلتے ہی مڑے اور ان پر جھپٹے۔ اب انھوں نے دائیں طرف کنی کاٹی، لیکن اس طرف گھنا جنگل تھا۔ درختوں اور جھاڑیوں کی وجہ سے تیزی سے دوڑنا ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال کرتے ہی وہ مڑے تو چھ کے چھ ہندوؤں کو سر پر پایا۔

"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟" محمود نے تنگ آکر کہا۔

"خون بہائیں گے تمہارا۔ جانتے نہیں شہر میں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ ساکت رہ گئے۔ تو یہ وہ معاملہ تھا۔ ان دنوں پورے شہر میں ہندو مسلم جھگڑے ہو رہے تھے، ہندوؤں کو جہاں کوئی اکیلا دکیلا مسلمان مل جاتا۔ اسے گھیر گھار کر مار ڈالتے۔ ادھر مسلمان ان کے خلاف طیش میں آئے ہوئے تھے۔ اور اس سارے فساد کی جڑ ہیرا دیوی تھی۔

"اب ہم سمجھے۔ آپ لوگ ہیرا دیوی کے پجاری ہیں۔"

"تمہارے اس شہر میں۔ بلکہ اس ملک میں جتنے بھی ہندو ہیں، ہیرا دیوی کے پجاری ہیں۔" وہی بولا جو اب تک اپنے ساتھیوں کو حکم دے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ لوگ ان کی طرف بڑھے۔ اور چھروں سے حملہ آور ہوئے۔ تینوں پھر بھڑک کر بھاگے۔

"بھئی محمود۔ یوں بھاگنے سے کام نہیں چلے گا۔ کہیں ہم نقصان نہ اٹھا بیٹھیں۔" فرزانہ بھاگتے ہوئے بولی۔

"تب پھر کیا کریں۔ ان کے پاس لمبے لمبے چھرے ہیں۔ ایک جگہ رک کر مقابلہ کرنا بھی تو خطرناک ہو گا۔"

"اگر ہم درختوں کی اوٹ لے لے کر ان کا مقابلہ کریں تو ان سے بہت جلد نبٹ لیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں یہی کرنا ہو گا، بزدلوں کی طرح کب تک بھاگتے رہیں گے۔" فاروق بولا۔

"خدا کا شکر ہے۔ آج تو فاروق بھی میری تائید کر رہا ہے۔"

اُنھوں نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز نزدیک ہوتے محسوس کی تو لمبی لمبی چھلانگیں لگانے لگے اور پھر اچانک ان کی طرف مُڑے۔ اب ان کے آس پاس درخت ہی درخت تھے:

"دیکھو بھئی۔ ہمارا آپ کا کوئی جھگڑا نہیں، کوئی دشمنی نہیں، پھر آپ کیوں ہمیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔" محمود نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

"ہیرا دیوی کا حکم یہی ہے۔" وہ بولا۔

"ہیرا دیوی کا حکم۔ یہ آپ کی ہیرا دیوی باتیں کب سے کرنے لگی۔" فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"وہ باتیں کب نہیں کرتی تھی۔ وہ تو ہمیشہ ہی ہم سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ اب اس کا حکم ہے۔ اسے اندھا کرنے والوں کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جائے۔"

"تو اندھا کرنے والوں کو جا کر پکڑیں نا۔ آپ کی ہیرا دیوی کو ہم نے تو اندھا نہیں کیا۔"

"اندھا کرنے والا اگر ہمیں مل جاتا تو ہم ہرگز فساد نہ برپا کرتے۔" اس نے کہا۔

"ارے۔ یہ کیا مُشکل ہے۔ ہم چٹکی بجانے میں اسے تلاش کر دیتے ہیں۔ پھر آپ جانیں اور اندھا کرنے والا جانے۔" محمود نے کہا۔

"محمود۔ میں چٹکی بجا رہا ہوں۔" فاروق جل کر بولا۔

"کیا مطلب۔" محمود چونک کر بولا۔

"ابھی ابھی تم نے کہا ہے نا۔ یہ چٹکی بجاتے میں اندھا کر دینے والے کو تلاش کر دوگے۔" فاروق بولا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ دیکھتے نہیں لمبے لمبے چھرے ہمارا خُون چاٹنے کے لیے کس قدر بے تاب ہیں۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے، ان چھروں میں بس یہی بُری بات ہے، بات بے بات خُون چاٹنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، وہ بھی ہاتھ دھو کر۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"اسے کہتے ہیں جُملے میں زبردستی محاورے گھسیٹنا۔" فرزانہ نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"تم لوگ تو اپنی باتوں میں اُلجھ گئے۔" ہندو نے کہا۔

"بارو۔ یہ بھاگ نکلنے کے لیے ہمیں چکر دینا چاہتے ہیں۔" ایک دُوسرے ہندو نے گویا اسے خبردار کیا۔

"یہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ میں تو ان کی باتیں سننے لگ گیا تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہیں۔ جنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہیرا دیوی کو اندھا کر دینے والے کو تلاش کر دیں گے۔" بارو نے کہا۔

"یہ۔ یہ بھلا کیا تلاش کریں گے۔ یہ تو گپ ہانک رہے ہیں۔"

"ہمیں گپ کیا، کچھ بھی ہانکنے کی عادت نہیں۔ بے شک تجربہ

کر کے دیکھ لیں۔"

" یہ اپنی جان بچانے کی کوشش میں ہیں۔" دوسرے ہندو نے گویا پھر بارو کو خبردار کیا۔

" چپ رہو شیام ۔ مجھے ان سے بات کرنے دو۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ دیوی کو اندھا کرنے والا ہمارے حوالے کر دیا جائے یہ ہنگامے اسی صورت میں رک سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر بارو پھر ان کی طرف متوجہ ہوا :

" تم لوگ اسے کس طرح تلاش کر دو گے۔"

" پہلے آپ لوگ ہمیں پوری تفصیل سنائیں گے ۔ اس کے بعد ہم اپنا کام شروع کریں گے ، یوں تو ہم اخبارات میں فسادات کی خبریں اور اس کی وجہ وغیرہ سب کچھ پڑھ چکے ہیں، لیکن آپ لوگ ہمیں ایک ایک بات بتا دیں تو ہم آسانی سے اس شخص کو تلاش کر دیں گے۔"

" کیسے تلاش کر دو گے ۔ پولیس تو اب تک کچھ کر نہیں سکی۔ تم تو پھر کل کے بچے ہو۔" رامو نے جل کر کہا۔

" اس بات کو چھوڑیں ۔ پولیس کے کام کرنے کا طریقہ اور ہے اور ہمارا اور۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

" کیا تم سکاٹ لینڈ یارڈ ہو۔" رامو نے اکڑ پن سے کہا۔

" سکاٹ لینڈ یارڈ کسی آدمی کا نہیں، ایک ادارے کا نام ہے ۔

اور یہ ادارہ ہمارے ملک کا بھی نہیں ، لیکن آپ لوگ فکر نہ کریں ، ہم اس قسم کے کاموں کے ماہر ہیں۔"

" تب پھر تم ہمارے ساتھ پجاری جی کے پاس چلو۔"

" پجاری جی ۔ یہ کون صاحب ہیں ؟"

" اس ملک میں ہمارے سب سے بڑے پجاری ، ان کا نام گھن داس ہے ، لیکن ۔ انھیں سب پجاری جی کہتے ہیں۔"

" چلیے ۔ ہم ان کے پاس چلنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ فساد کی یہ فضا شاید اس طرح ختم ہو جائے۔"

" اور اگر تم اندھا کرنے والے کو تلاش نہ کر سکے تو ہم تم لوگوں کو اندھا کر دیں گے۔"

" ہمیں منظور ہے۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

" چھرے بند کر لو۔ ہم ان لوگوں کو پجاری جی کے پاس لے کر چل رہے ہیں۔"

" وہ ہمارا مذاق اڑائیں گے ۔ کہ یہ کن بچوں کو پکڑ لائے ہو۔ یہ بھلا کیا کر سکتے ہیں، جہاں اتنے بڑے بڑے پولیس آفسر اب تک کچھ نہ کر سکے۔" رامو نے بھنّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

" بھئی چلو تو سہی ۔ دیکھا جائے گا۔" بارو بولا۔

آخر وہ ان کے ساتھ چل پڑے ۔ سڑک کے کنارے پہنچنے کے بعد انھیں کچھ دور تک پیدل چلنا پڑا ۔ پھر بارو اور اس کے

ساتھی ایک جگہ رُک گئے ۔ ان میں سے ایک جنگل میں گیا ۔ اور ایک
جیپ نکال لایا ۔ گویا انھوں نے اپنی جیپ یہاں چھپا رکھی تھی۔

وُہ جیپ میں بیٹھ گئے ۔ بارو اور رامو اگلی سیٹ پر بیٹھ
گئے ۔ وُہ باقیوں کے ساتھ پیچھے ۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑے
مندر کے سامنے پہنچ گئے ۔ یہ اس شہر کا ہی نہیں ، پورے مُلک کا
سب سے بڑا اور خوبصورت مندر تھا ۔ مُلک بھر کے ہندو یہاں سال
میں ایک بار ضرور آتے تھے ۔ اور پوجا پاٹ کرتے تھے ۔ مُلک میں
ہندوؤں کو آزادانہ اور اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت
تھی ۔ ان پر کوئی پابندی عاید نہیں تھی ۔ ایک عرصے سے وُہ
پُر سکون اور پُر امن زندگی گزارتے چلے آ رہے تھے ۔ کہ اچانک کسی
شریر نے اس مندر کی ہیرا دیوی کی آنکھ کا ہیرا چُرا لیا ۔ دیوی
کی پیشانی پر بس ایک ہی آنکھ تھی اور اس آنکھ میں ایک بہت
بڑا ہیرا جڑا ہُوا تھا ۔ اس ہیرے کی روشنی پورے مندر کو روشن کر
دیتی تھی ۔ ہندو اسے دیوی کی آنکھ کہتے تھے ۔ گویا کسی نے ان کی
دیوی کی آنکھ چُرا لی تھی ۔ بس یہ ہنگامے اسی دن سے شروع ہوئے
تھے ۔ ہندو بُری طرح بپھر گئے تھے ۔ جہاں کسی اکیلے مسلمان کو پا
لیتے ۔ اسے بُری طرح زخمی کر دیتے یا جان سے ہی مار دیتے ، ادھر
مسلمان بھی طیش میں آ گئے تھے ، لیکن حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں
کو پُر سکون رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی ۔ پولیس تمام دن

شہر بھر میں گشت کرتی رہتی ، دوسری طرف وُہ ہیرے کی تلاش میں
بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی ، لیکن ہیرا تھا کہ ملنے کا نام ہی
نہیں لے رہا تھا ۔ محکمہ سراغرسانی کے بھی دو تین انسپکٹر اس مہم
پر جُتے ہوئے تھے ؛ تاہم ابھی تک یہ کیس انسپکٹر جمشید کے حوالے
نہیں کیا گیا تھا ۔ چند دن پہلے محمود نے حیرت کے لہجے میں اپنے
والد سے پوچھا بھی تھا :

" آخر یہ کیس آپ کے سُپرد کیوں نہیں کیا گیا ؟"

" اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے ۔" انھوں نے مُسکرا کر کہا تھا
اور خاموش ہو گئے تھے ، خاموش ہو جانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ
وُہ وجہ بتانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ۔ اور اب ۔ وُہ اس کیس پر
کام کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

مندر شہر سے باہر ایک کُھلے میدان میں تھا ۔ پتھروں سے تیار
کیا گیا تھا اور بہت دُور سے ہی نظر آ جاتا تھا ۔ وُہ جیپ سے
اُترے تو مندر کے چاروں طرف ہندو ہی ہندو نظر آئے ۔ پولیس
بھی بے تحاشہ تھی ۔ ہندو بار بار نعرے لگا رہے تھے ۔ دیوی کی آنکھ
واپس دلاؤ ۔ دیوی کا ہیرا واپس کرو ۔ پولیس نے پورے میدان
کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا ۔ اور ہر قسم کے حالات سے نبٹنے کے
لیے پوری طرح چوکس تھی ۔ اس ہنگامے میں وہ ان ہندوؤں کے
ساتھ آگے بڑھے ۔ پولیس نے ہندوؤں کو دیکھ کر روکنے کی کوشش نہیں

کی ، لیکن انھیں روک لیا :

" اے ۔ تم کہاں گھُسے جا رہے ہو ۔ قتل ہونے کا ارادہ ہے ۔ "

" جی نہیں ۔ یہ ارادہ ہوتا تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی ۔ یہ کام تو جنگل میں بھی آسانی سے ہو سکتا تھا ۔ " فارُوق مُسکرایا ۔

" کیا مطلب ؟ " ایک حوالدار نے بھنّا کر کہا ۔

" ہم دیوی کا ہیرا تلاش کرنے جا رہے ہیں ۔ تاکہ شہر سے فساد کی فضا کا خاتمہ ہو جائے ۔ "

" تم تلاش کرو گے ہیرا ؟ " ایک کانسٹیبل ہنسا ۔

" ہاں ! اُمید تو یہی ہے ۔ "

" ارے میاں جاؤ ۔ بڑے بڑے پولیس افسر تھک ہار چکے ہیں ۔ "

" س ۔ سر ۔ انہیں جانے دیجیے ۔ یہ ۔ یہ ۔ " ایک اور کانسٹیبل نے ہکلا کر کہا ۔

" کیا مطلب جانے دوں ۔ لیکن کیوں جانے دوں ۔ "

" میں انہیں پہچانتا ہوں ۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں ۔ "

" کیا ! " نہ صرف پولیس والے ۔ بلکہ انھیں اپنے ساتھ لانے والے ہندو بھی اُچھل پڑے اور پھر ہندوؤں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں :

" تب تو ۔ یہ لوگ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے ۔ " رامو بڑبڑایا ۔

" آؤ اب چلیں ۔ " بارو نے کہا ۔

اور بھیڑ کو چیرتے آگے بڑھنے لگے ۔ یہاں تک کہ مندر کے دروازے تک پہنچ گئے ۔ مندر کا دروازہ بند تھا ۔ کتنے ہی ہندو اس پر مُکّے برسا رہے تھے ۔ اور چلّا رہے تھے :

" پُجاری جی ۔ دروازہ کھولیں ۔ نہیں تو ہم دروازے سے سر ٹکرانا شروع کر دیں گے ۔ ہمیں حُکم دیں ۔ ہم ان مُسلمانوں کی تکا بوٹی کر دیں ۔ آپ نے کیوں چُپ سادھ لی ۔ آپ مُسلمان حکومت کے دباؤ میں کیوں آ گئے ۔ "

یہ بے شمار ملی جُلی آوازیں اُبھر رہی تھیں ۔ ایسے میں یہ لوگ دروازے تک پہنچے ۔ بارو کو دیکھ کر لوگ پیچھے ہٹ گئے ۔ اور خوف زدہ سے نظر آنے لگے ۔ بارو نے چیخ کر کہا :

" میں آ گیا ہوں ۔ اب کسی کو شور مچانے کی ضرورت نہیں ۔ اگر کل تک ہیرا نہ ملا تو تم لوگوں کو کھُلی اجازت دے دی جائے گی ۔ یہی پُجاری جی کا فیصلہ ہے ۔ لہٰذا اب تم لوگ جاؤ ، اپنے اپنے گھروں میں آرام کرو ۔ "

اس کی آواز میں گرج تھی ۔ دبدبہ تھا ۔ لوگ بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگے ۔ اب بارو نے دروازے پر تین بار زور زور سے ہاتھ مارا اور بلند آواز میں بولا :

" پُجاری جی ۔ دروازہ کھول دیجیے ۔ باہر آپ کا خادم کھڑا ہے ۔ "

پندرہ سیکنڈ بعد ہی دروازہ تھوڑا سا کھل گیا - اور سر سے
گنجے ایک ہندو کی صورت دکھائی دی - بارو پر نظر پڑتے ہی وُہ
پیچھے ہٹ گیا - بارو انھیں اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اندر داخل
ہوگیا - اندر کا ماحول عجیب سا تھا - وہ ایک بہت بڑے مستطیل
سے ہال میں کھڑے تھے - سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک اونچا
چبوترا بنایا گیا تھا ، اس چبوترے پر ایک عورت کا بہت بڑا بُت
نصب تھا - اس بُت کی پیشانی میں ایک انڈے جتنا گڑھا صاف
نظر آرہا تھا - گویا گم ہونے والا ہیرا اس جگہ فٹ تھا - چبوترے پر
ایک شخص دھوتی باندھے چوکڑی مارے بیٹھا تھا - اس کے دونوں
ہاتھ توبہ کے انداز میں آپس میں ملے ہوئے تھے اور اوپر اُٹھے
ہوئے تھے - وہ جھوم رہا تھا - اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا
تھا ، اس کے پیچھے بیس کے قریب دوسرے ہندو اسی کے انداز
میں بیٹھے تھے -

" پُجاری جی پوجا میں مصروف ہیں - فارغ ہونے کا انتظار
کرنا ہوگا "

" کوئی بات نہیں - ہم انتظار کرلیں گے " بارو بولا -

وہ مندر کے ایک کونے میں کھڑے ہوگئے ، دروازہ کھولنے
والا پھر دروازے پر کھڑا ہوگیا - وہ دروازہ پھر اندر سے بند کرچکا
تھا - آخر دس منٹ بعد پوجا ختم ہوئی تو ان کے ہاتھ نیچے گرے

اور پھر وُہ ان کی طرف مڑے :

" کیا بات ہے بارو - تم کہاں رہے دو دن تک ؟ "

" میں مُسلمانوں کا صفایا کر رہا تھا " اس نے کہا -

" اور تمھیں ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا تھا ؟ "

" کسی نے بھی نہیں - دُوسرے ہندو بھی تو یہی کچھ کر رہے ہیں "

" جو لوگ میری باتیں آکر سنتے رہے ہیں - وُہ ایسا نہیں کر
رہے - باقی لوگ ضرور ایسا کر رہے ہیں ، میں بار بار اعلان کرا چکا
ہوں کہ پُرامن رہو - ضرورت پُرامن رہنے کی ہے - فساد کی آگ
بھڑکا کر ہم دیوی کی آنکھ کبھی بھی حاصل نہیں کر سکیں گے " پُجاری جی
نے جلدی جلدی کہا -

" ہوں - خیر - میں تین مُسلمان بچّوں کو لے کر آیا ہوں "

" کس لیے - کیا انھیں یرغمال بنانے کا ارادہ ہے ، میں تمھیں اس
کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا "

" ایسی کوئی بات نہیں - یہ لوگ سراغرسانی کے کاموں کے ماہر ہیں ،
اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ بہت جلد ہیرا تلاش کرکے دے سکتے
ہیں - "

" یہ غلط کہتے ہیں ، ان کے فرشتے بھی ہیرا برآمد نہیں کرسکیں گے ،
یہ بات تو میں پہلے ہی جانتا ہوں کہ ہیرا کس کے پاس ہے ، اصل
مسئلہ تو یہ ہے کہ حکومت میری بات تسلیم ہی نہیں کر رہی - ورنہ

اب تک ہیرا برآمد کیا جا چکا تھا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

" اگر آپ کو معلوم ہے کہ ہیرا کہاں ہے، یا کس نے چرایا ہے تو اپنے سب لوگوں کو کیوں نہیں بتا دیتے، پھر وہ خود ہی ہیرا حاصل کر لیں گے۔"

" ان لوگوں کے حاصل کرنے کا طریقہ اور ہے۔ اور میرا اور۔۔ میں پُرسکون اور پُرامن حالات میں ہیرا حاصل کرنا پسند کرتا ہوں۔۔ جب کہ باقی سبھی فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ اس کے نتائج بہت خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔"

" یہ حکومت آپ کی کون سی بات تسلیم نہیں کر رہی؟"

" میرا کہنا یہ ہے کہ ہیرا امجد امیر کے پاس ہے، اسی نے چرایا ہے، اسے گرفتار کر لیا جائے، اس کے گھر کی تلاشی لے لی جائے، ہیرا برآمد ہو جائے گا۔ لیکن حکومت میرا مطالبہ ماننے پر قطعاً تیار نہیں۔"

" آخر کیوں۔ اس میں کیا حرج ہے کہ امجد امیر کے گھر کی تلاشی لے لی جائے۔" بارو نے بھنا کر کہا۔

" بس حکومت کی مرضی۔ سُننے میں آیا ہے کہ امجد امیر اس صوبے کے گورنر کا سالا ہے۔"

" اوہ!" نہ صرف بارو اور اس کے ساتھی۔ بلکہ وہ بھی دھک سے رہ گئے۔ چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بارو نے کہا:

" تب پھر۔ کیوں نہ ان لوگوں کی ہی خدمات حاصل کر لی جائیں،

یہ بھی معمولی لوگ نہیں ہیں۔ ان کے اپنے طریقے ہیں۔ کیا خبر۔ یہ ہیرا تلاش کر ہی دیں۔"

" ہوں! اچھا مجھے غور کرنے دو۔" پجاری نے کہا اور سوچ میں ڈوب گیا، پورے ایک منٹ بعد سر اُٹھایا اور بولا:

" ٹھیک ہے۔ اگر یہ لوگ کل تک ہیرا لا دیں۔ تو سارا کام درست ہو جائے گا۔ ورنہ میری قوم کے لوگ نہیں رُکیں گے۔" پجاری جی کا لہجہ فیصلہ کُن تھا۔

" آپ فکر نہ کریں۔ ہم کل تک ہیرا ہر حال میں لا کر دکھائیں گے۔"

" مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں کہ تم ایسا کر سکو۔" پجاری جی بولے۔

" اللہ مالک ہے۔" فرزانہ بلند آواز میں بولی۔

مندر میں اس کی آواز گونج اُٹھی۔ پجاری اور ان کے سب ساتھیوں نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا، لیکن مُنہ سے کچھ نہ بولے۔۔

" آپ کو ہمیں ہر طرح تفتیش کرنے کی اجازت دینا ہو گی۔" فاروق بول اُٹھا۔۔

" ہر طرح۔ کیا مطلب؟" پجاری جی نے چونک کر کہا۔

" ہر طرح کا مطلب ہر طرح ہی ہوتا ہے، ویسے اس کی تشریح بھی کیے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ اس چوری میں مندر کے کسی پجاری نے چور کی مدد کی ہو، کیونکہ ایسے کام گھر کے بھیدیوں کے بغیر نہیں ہو

سکتے۔ آپ نے یہ تو سُن ہی رکھا ہوگا، گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔"

"ہاں۔ سُن رکھا ہے۔ ہمیں ضرب الامثال سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔" پُجاری جی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بس تو پھر ہم اپنی تفتیش کا آغاز یہیں سے کریں گے۔ اس کے بعد امجد امیر کو ٹٹولیں گے۔ کیونکہ اگر اس واردات میں کسی پجاری کا ہاتھ ہے تو ہم اس پُجاری کو پکڑے بغیر ہیرا برآمد نہیں کر سکیں گے۔"

"یہ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" پجاری جی نے بھنّا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم پر چھوڑیں۔ آپ کا کام تو بس اجازت دینا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میری طرف سے اجازت ہے۔ جو جی میں آئے، کرو۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ کوئی بات کرنا ہو یا کچھ بتانا ہو تو بے دھڑک آجانا۔ اور ہاں بارو تمہاری ہر طرح مدد کرے گا۔"

"شکریہ۔ آپ شوق سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

پجاری جی مُڑے اور مندر کی بائیں طرف والی دیوار میں بنے چھوٹے سے دروازے میں داخل ہونے کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"اب ہمارا کام شروع ہوتا ہے۔ آپ سب حضرات ایک طرف

ہٹ جائیں۔ ہم ذرا اس گڑھے کا جائزہ لے لیں۔"

"دیوی جی کی بے ادبی ہرگز نہ ہونے پائے۔ تم لوگوں کو ننگے پاؤں چبوترے پر چڑھنا ہوگا۔" بارو نے سرد آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔"

انھوں نے جوتے اتار دیے اور آگے بڑھے۔ بُت قریباً چار میٹر اونچا تھا۔ اس کے سر تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"یا تو کسی سیڑھی کے ذریعے کام لیا گیا ہے۔ یا پھر ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہے۔ بُت پر تو کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ نظر نہیں آتی۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ہاں، لیکن ہمیں اس کا عملی تجربہ کرنا چاہیے۔ فاروق تم اوپر چڑھنے کی کوشش تو کر دیکھو۔" فرزانہ نے ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا اپنے ہاتھ پیر تڑوانے کا ابھی کوئی پروگرام نہیں، جب پروگرام ہوگا، بتا دوں گا۔" فاروق بھنّا اُٹھا۔

"اتنی سی اونچائی سے اگر تم گر بھی گئے تو ہاتھ پیر کس طرح ٹوٹیں گے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"گویا تم بھی یہی چاہتے ہو۔"

"ہاں بالکل۔ یہ تجربہ کرنا ہی ہوگا۔ اگر تم نہیں چڑھو گے تو میں چڑھوں گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ فرزانہ جو ایک بار کہہ دے۔ تم بھی اسی پر اڑ جاتے ہو۔" اس نے غصے کے عالم میں پاؤں پٹخنے اور بُت کی طرف بڑھا۔ پہلے تو چاروں طرف سے اس کا جائزہ لیا، پھر بُت کے ایک بازو پر ہاتھ جما کر اس کے گھٹنے پر پاؤں رکھنے ہی لگا تھا کہ ایک پجاری چیخ اُٹھا:

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

فاروق تلملا کر اس کی طرف مڑا۔ اور چیخ کر بولا:

"ہم وہی کر رہے ہیں جو ہمیں کرنا ہے۔ ہمارے کام میں روڑے اٹکانے کی کوشش نہ کرو، ورنہ ہم ہیرا تلاش نہیں کر سکیں گے اور اگر ہیرا نہ ملا تو شہر کی فضا اور بگڑ جائے گی۔ کیا تم چاہتے ہو، فضا اور بگڑ جائے۔"

"نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے، لیکن ہم یہ بھی تو نہیں دیکھ سکتے کہ تم ہیرا دیوی پر اپنے ناپاک پاؤں رکھو۔" اسی پجاری نے بھنا کر کہا۔

"ناپاک پاؤں۔ کیا کہتے ہو۔ ہوش میں تو ہو۔"

"ہاں۔ ہوش میں ہیں، تم ہندو نہیں ہو، اس لیے دیوی جی کے لیے ناپاک ہی ہو۔"

"جس نے ہیرا چُرایا، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فرزانہ غُصے کے انداز میں ان پر اُلٹ پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"وُہ بھی تو آخر کسی نہ کسی طرح چڑھا ہی ہو گا۔ اگر وُہ چڑھ گیا تھا تو ہمیں بھی چڑھ لینے دو۔ کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔" محمود بولا۔

"بھئی لڑنے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے، ان لوگوں کو اپنی کوشش کر لینے دو، ہم بعد میں دیوی جی کو غسل دے دیں گے۔" بارو نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

پُجاری خاموش ہو گئے۔ فاروق نے اپنا کام پھر شروع کیا اور ایک منٹ بعد ہی ہیرے کے لیے بنائے گئے گڑھے تک اس کا ہاتھ پہنچ گیا۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

"ارے باپ رے۔ یہاں۔ یہاں تو خون بھی لگا ہے۔"

امجد امیر

انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی۔ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے وہ بولے:

"یہ تینوں کہاں رہ گئے بیگم۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" بیگم جمشید بولیں۔ اتنے میں وہ ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا چکے تھے۔ اور پھر چونک کر بولے:

"یس سر۔ جمشید بول رہا ہوں۔"

"فوراً پہنچو جمشید۔ ایک لمحے کی بھی دیر نہ کرنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ اور ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔ اُنھوں نے بھی تیزی سے ریسیور رکھا اور اُٹھ کر باہر کی طرف لپکے:

"ارے ارے۔ کہاں چل دیے۔"

"صدر صاحب کا فون تھا۔ انھوں نے فوری طور پر بُلایا ہے، وہ تینوں آئیں تو انھیں چاہیے گھر میں ہی ٹھہرے رہیں۔ نہ جانے کس وقت ان کی ضرورت پڑ جائے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل چکے تھے۔ دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ برق رفتاری سے ایوانِ صدر کا رُخ کر رہی تھی۔ انھوں نے جیپ پر لگی ایمرجنسی لائٹ آن کر دی تھی، اس لیے دوسری گاڑیاں انھیں راستہ دیتی چلی گئیں، نتیجہ یہ کہ وہ صرف دس منٹ بعد ایوان میں داخل ہو رہے تھے۔ جونہی میٹنگ روم میں داخل ہوئے، صدر صاحب کی حیرت بھری آواز سُنائی دی:

"حیرت ہے جمشید۔ تم صرف دس منٹ میں پہنچ گئے۔"

"آپ کا حکم تھا، میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کروں؛ چنانچہ میں نے ضائع نہیں کیا۔"

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے تمھیں سب سے بعد میں فون کیا تھا۔ باقی لوگوں کو پہلے۔ پھر بھی تم ان سے پہلے پہنچ گئے۔ بہت خوب۔ جمشید۔ تم جیسے فرض شناس لوگ بہت مُشکل ملتے ہیں۔"

"نہیں سر۔ یہ دُنیا ایک سے بڑھ کر ایک لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ معاملہ کیا ہے سر۔"

"وہی۔ ہیرا دیوی کا۔ اس نے اب بہت سنگین صورت اختیار کر لی ہے۔"

"اوہو۔ اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت دوسرے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ پانچ منٹ بعد

وہاں آئی جی صاحبان کے علاوہ پولیس کے بڑے بڑے تمام آفیسر اور
صوبے کے گورنر بھی آچکے تھے ۔ سبھی کے چہرے فکر میں ڈوبے ہوئے
تھے :

" آپ سب حضرات کو اچانک تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں ،
لیکن حالات نے ایک عجیب کروٹ لی ہے اور میرے وہم و گمان میں
بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ۔"

" خیر تو ہے سر ۔ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ۔" گورنر صاحب بولے ۔

" یہ بات تو آپ سبھی کو معلوم ہے کہ دس روز پہلے ہمارے
ملک میں ہندوؤں کے سب سے بڑے مندر میں نصب ہیرا دیوی کا ہیرا
چرا لیا گیا ۔ اس کی قیمت نو کروڑ روپے کے قریب بتائی جاتی ہے ۔
مسئلہ قیمت کا نہیں صرف ہیرے کا ہے ۔ ہندو آبادی صرف اور صرف
یہ چاہتی ہے کہ ہیرا واپس ہیرا دیوی کی آنکھ پر لگنا چاہیے ۔ اس سے
کم کسی بات پر وہ رضا مند نہیں ہیں ۔ شہر میں ہنگامے شروع ہو
چکے ہیں ، بہت سے مسلمان اور ہندو شدید زخمی کیے جا چکے ہیں اور
کتنے ہی گرفتار ہو چکے ہیں ۔ پولیس ہیرے کو برآمد کرنے کی
پوری کوشش کر چکی ہے ، لیکن ہیرے کا ابھی تک کہیں نام و نشان
تک نہیں ملا ۔ میں خیال کر رہا تھا کہ ہیرا آخر کہاں جائے گا ، مل
جائے گا اور یہ معاملہ دب جائے گا ۔ محکمہ سراغرسانی کے بھی چند
حضرات اپنی سی کوشش کر چکے ہیں ۔ انسپکٹر جمشید کو یہ ذمے داری صرف

اس لیے نہیں سونپی گئی کہ گورنر صاحب کو یہ بات پسند نہیں تھی
کہ ان کے بھائی کی تلاشی لی جائے ۔ اور انسپکٹر جمشید ایسا کیے بغیر
رہتے نہ ۔۔۔ ! چنانچہ اب تک کوئی کامیابی نہیں ہو سکی ۔ یہ بھی کوئی
بات نہیں ۔ ہم اور انتظار کر لیتے ، اور کوشش کر لیتے ۔ لیکن آج شام
ہی ایک بالکل نئی بات ہو گئی ۔" یہ کہہ کر صدرِ مملکت خاموش ہو
گئے ۔ ان کی پیشانی پر لکیریں اُبھر آئیں ۔ چند لمحے تک سب انتظار
کرتے رہے ، آخر انھوں نے کہا :

" تھوڑی دیر پہلے ہی پڑوسی مُلک کے صدر کا فون مجھے موصول
ہوا ہے ۔ فون پر اُنھوں نے کہا ہے کہ فوری طور پر ہیرا برآمد کیا
جائے ۔ کیونکہ ان کے مُلک کے لوگ بھی ہیرے کے برآمد کیے جانے
کا مطالبہ بہت زور شور سے کر رہے ہیں ۔ ادھر بھی جھگڑے شروع
ہو چکے ہیں ۔ کئی جگہ مسلمان اور ہندو آپس میں لڑ پڑے ہیں اور
خون بہہ چکا ہے ، ان واقعات میں ہر لمحے اضافہ ہی ہو رہا ہے ۔
ہیرا دیوی دونوں مُلکوں کے ہندوؤں کے لیے بہت متبرک دیوی ہے اور
اس دیوی کی بے حرمتی ہندو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے ۔ دوسرا مطالبہ
یہ ہے کہ گورنر صاحب کے بھائی کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے ۔ ان
کی کوٹھی کی تلاشی لی جائے ۔ اور ہیرا برآمد ہونے کی صورت میں انھیں
مقدمہ چلائے بغیر جیل بھیج دیا جائے ۔ اگر ان کی ان ہدایات پر
عمل نہ کیا گیا تو ان کے ملک کی فوج ہمارے مُلک پر باقاعدہ حملہ کر

دے گی ۔ دونوں ملک جنگ کی لپیٹ میں آجائیں گے ۔ جنگ کی
آگ کے شعلے اس حد تک بلند ہو جائیں گے کہ پھر یہ جنگ روکے
نہ رُکے گی ۔ اور ایسا پورے چوبیس گھنٹے بعد کیا جائے گا ۔۔۔
گویا اگر ہم کل شام سے پہلے ہیرا تلاش نہ کر سکے اور ہیرا دیوی
کی آنکھ میں نہ لگا سکے تو ہمیں دشمن ملک سے جنگ لڑنا ہو گی ۔
اور یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے ۔"

یہاں تک کہہ کر صدر صاحب خاموش ہو گئے ۔ ان کے خاموش
ہوتے ہی ۔ کمرہ گویا قبرستان بن گیا ۔ انھیں یوں لگا جیسے اب
اس کمرے میں کبھی کوئی کچھ نہ بولے گا ۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید
بولے :

" اس میں کوئی شک نہیں کہ دشمن ملک نے خوفناک دھمکی دی ہے ،
وہ ہم سے کئی گنا بڑا ملک ہے ۔ اس کے وسائل بھی زیادہ ہیں ۔۔۔
لیکن ہم بھی مسلمان ہیں ۔ لہذا ڈرنے کی تو کوئی بات ہے ہی نہیں ۔
ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ جنگ صرف ایک ہیرے کی خاطر لڑی جائے گی ۔
اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہیرا برآمد کر لیا جائے اور معاملے کو
دبا دیا جائے ۔"

" یہ سب تو ٹھیک ہے انسپکٹر جمشید ۔ لیکن اس کی دوسری شرط
کس قدر بے ہودہ ہے ۔ آخر میرے بھائی کو کس جرم کے تحت گرفتار
کیا جائے ۔ اور اس کی کوٹھی کی تلاشی کیوں لی جائے ۔" گورنر صاحب

تلملا کر بولے ۔

" ہاں ، آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں ۔ خیر پڑوسی صدر نے ایک
رعایت ضرور کی ہے ۔ اس نے ہمیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے ۔
آپ یہ معاملہ اب میرے حوالے کر ہی دیں ۔ مجھے امید ہے ۔ میں
ان شاء اللہ کل شام سے پہلے ہیرا تلاش کرنے میں کامیاب ہو
جاؤں گا ۔"

" ٹھیک ہے ۔۔۔ یہ کیس اب آپ کے حوالے کرنا ہی ہو گا ۔" صدر
صاحب بولے ۔

" اور مجھے ہر طرح کی اجازت بھی ہو گی ۔" وہ بولے ۔

" مجبوری ہے ۔ اجازت دینا ہی پڑے گی ۔" صدر صاحب نے کہا ۔

" تب آپ مطمئن رہیے ۔"

" لیکن سر ۔ میرے بھائی کو گرفتار نہیں کیا جائے گا ۔" گورنر صاحب
بولے ۔۔۔

" اگر ہیرا ان کی کوٹھی سے برآمد نہ ہوا تو انھیں گرفتار نہیں کیا جائے
گا ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ہیرا وہاں سے برآمد نہیں ہو گا ۔" وہ
بولے ۔۔۔

" آخر انھیں مندر میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ یہ بات ثابت
ہو چکی ہے کہ وہ مندر گئے تھے ۔" صدر صاحب نے ناخوش گوار لہجے

میں کہا ۔

" میں نے اچھی طرح پوچھ گچھ کی ہے سر ۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کا ایک بہت گہرا دوست ہندو ہے ۔ اس کے ساتھ چلا گیا تھا ۔ بس یہ دیکھنے کہ ہندو کس طرح عبادت کرتے ہیں ۔"

" اور ان کا جانا پورے مُلک کے لیے مصیبت بن گیا ہے ۔" صدر صاحب نے کہا ۔

" ہاں ، اس کا مجھے بھی احساس ہے ۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہو جائے گا ۔"

" خیر ۔ تو یہ طے رہا کہ اب انسپکٹر جمشید نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے ۔ اب آپ لوگ جا سکتے ہیں ، کیونکہ چند منٹ تک فوج کے کمانڈر انچیف اور دوسرے آفیسر پہنچنے والے ہیں ۔ موجودہ صورتِ حال سے انہیں بھی خبردار کرنا ہے ۔ تاکہ وہ پوری طرح چوکس ہو جائیں اور کل شام سے پہلے پہلے سرحدوں پر حفاظتی انتظامات مکمل کر لیں ۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہیرا نہ ملے ۔"

" ہوں ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ میں ایک اور تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" ہاں ضرور ۔ کیوں نہیں ۔"

" غیر مُلکی اخباری نمائندوں کو بھی حالات سے باخبر کر دیا جائے ۔ تاکہ وہ پل پل کی خبریں پوری دُنیا میں نشر کرتے رہیں ۔"

" اس کی کیا ضرورت ہے ۔" گورنر صاحب منہ بنا کر بولے ۔

" معاف کیجیے گا جناب ۔ میرے خیال میں اس کی اشد ضرورت ہے ۔"

" خیر ۔ ہم اس پہلو پر غور کر لیں گے ۔" صدر صاحب نے جلدی سے کہا اور سب لوگ سمجھ گئے کہ اب انہیں اُٹھ ہی جانا چاہیے ۔ وہ اُٹھ رہے تھے کہ صدر صاحب بول پڑے :

" جمشید ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے ؟"

" وہ گھر میں تھے ہی نہیں ۔ گھنے بادلوں سے لُطف اندوز ہونے گھر سے نکلے تھے ، اب تک لوٹ کر نہیں آئے تھے ۔"

" اوہ اچھا ۔ ویسے تم تفتیش کا آغاز کہاں سے کر رہے ہو ؟"

" میں سیدھا گورنر صاحب کے بھائی کے ہاں جا رہا ہوں سر ۔"

" بہت خوب ۔" انہوں نے کہا ۔

باہر نکل کر وہ جیپ میں بیٹھے ۔ اور چل پڑے ۔ کچھ دُور جا کر جیپ میں لگے فون پر اکرام سے رابطہ قائم کیا :

" ہیلو اکرام ۔ میں امجد امیر کی کوٹھی کی طرف جا رہا ہوں ۔ کوٹھی کی تلاشی کا پروگرام ہے ۔ تم بھی چند ماتحتوں کو لے کر پہنچ جاؤ ، کیونکہ کوٹھی بہت بڑی ہے ۔ میں تنہا بہت دیر لگا دوں گا ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ بھی ساتھ نہیں ہیں ۔"

" کیوں سر ۔ وہ کہاں ہیں ؟" اکرام نے پُوچھا ۔

"پتا نہیں۔ سیر کرنے نکلے ہوئے ہیں، اب تک نہیں آئے۔"

"گویا یہ کیس باقاعدہ آپ کو مل گیا ہے۔"

"ہاں، لیکن اس وقت جب پانی سر سے اُونچا ہو گیا۔"

"جی کیا مطلب؟"

"بس تم آجاؤ۔ بتا دوں گا۔" انھوں نے کہا اور سلسلہ کاٹ کر گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ جلد ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی:

"بیگم۔ یہ تینوں پہنچے یا نہیں؟"

"ابھی تک نہیں۔ نہ ان کا کوئی فون موصول ہوا۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"اسے کھڑا ہی رکھو بیگم۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ امجد امیر کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑے گھنٹی کا بٹن دبا رہے تھے۔ امجد امیر گورنر صاحب کا سالا تھا اور اس معاملے میں اس کی شہرت جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں ہی نہیں۔ پورے ملک میں پھیل گئی تھی۔ گھنٹی کے جواب میں ایک بڑی مونچھوں والے پٹھان ملازم نے دروازہ کھولا:

"کس سے ملنا ہے ساب؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"امجد امیر صاحب سے۔ میرا کارڈ لے جائیں۔" انھوں نے کہا اور کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا، اس نے ایک حقارت بھری نظر

کارڈ پر ڈالی اور اسے چٹکی سے اس طرح پکڑا جیسے ہاتھ ناپاک ہی تو ہو جائے گا۔ پھر اندر کی طرف مڑ گیا۔ اس نے واپس آنے میں تقریباً دو منٹ لگائے۔

"چلیے ساب۔ ساب آپ سے ملاقات کریں گے۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا، شاید اس کا خیال تھا کہ ملاقاتی کو باہر سے ہی ٹرخا دینے کی ہدایات ملیں گی۔

ڈرائنگ روم بہت ٹھاٹھ دار انداز میں سجا ہوا تھا۔ ابھی وہ اس کی چیزوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ قدموں کی آواز سنائی دی، پھر ایک لمبے قد کا نوجوان آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر پٹی بندھی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے:

"بھائی جان نے مجھے فون کر دیا تھا۔ یہ بات میرے علم میں آگئی ہے کہ کیس کی تفتیش اب آپ کریں گے، لیکن یہاں آکر آپ نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اور اگر یہاں کی تلاشی لینے کی کوشش کی تو اور بھی وقت ضائع ہوگا۔"

"تشریف رکھیے جناب۔ مجھے خود بھی شرمندگی ہے کہ آپ کو بلاوجہ کیوں تکلیف دی جائے، لیکن حالات کچھ اس قسم کے ہو گئے ہیں کہ اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔ آپ سن ہی چکے ہوں گے۔"

"ہاں۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ پڑوسی ملک نے جنگ کی دھمکی دے

دی ہے، لیکن اس سے تو ہمارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے۔"

" معاہدے کا کیا ہے ۔ وہ تو کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے ۔"

" میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ۔ میں نے ہیرا نہیں چرایا ۔ میرے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے ، پھر بھلا مجھے ہیرا چرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

" ہوں ۔ مجھے بھی یقین ہے ، لیکن کیا کیا جائے ۔ ضابطے کی کارروائی تو کرنا پڑے گی ۔ غیر ملکی اخبارات کے نمائندے بھی اس ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں کہ ہم کل تک کیا کرتے ہیں ۔ پل پل کی خبریں اخبارات میں شائع ہوں گی، ریڈیو اور ٹی وی بھی انھیں نشر کریں گے ۔"

" جیسے آپ کی مرضی ۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی ۔ انسپکٹر جمشید نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا :

" یہ میرے ماتحت ہوں گے ۔ تلاشی کا کام یہی کریں گے ۔"

" اچھی بات ہے ۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں ۔ آپ شوق سے تلاشی لیں ۔"

" لیکن جناب ۔ مجھے تو آپ سے کچھ اہم سوالات پوچھنا ہیں ۔" انھوں نے فوراً کہا۔

" او ہو اچھا ۔ تو پھر پوچھیے۔"

اسی وقت ملازم کمرے میں داخل ہوا :

" انسپکٹر صاحب کے ماتحت آئے ہیں سر۔"

" ٹھیک ہے ۔ انھیں یہیں لے آؤ۔" امجد امیر نے کہا۔

جلد ہی اکرام اور اس کے ماتحت اندر داخل ہوئے :

" اکرام پوری کوٹھی کی بڑی احتیاط سے تلاشی لینی ہے ۔ تم لوگوں کو ایک ہیرا برآمد کرنا ہے ، تم جانتے ہو ۔ میں کس ہیرے کی بات کر رہا ہوں اور وہ کتنا بڑا ہے ۔"

" جی ہاں ۔ سر۔" اس نے کہا۔

" اور جو کہ تم لوگوں کو یہاں ہرگز نہیں ملے گا۔" امجد امیر بولا۔

اکرام نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

" پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔ امجد امیر تلاشی میں روڑے نہیں اٹکائیں گے ۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

" تو کیا ۔ ہم کام شروع کر دیں سر۔"

" ہاں بالکل۔"

اکرام ماتحتوں کو لے کر نکل گیا ۔ اس وقت انسپکٹر جمشید بولے:

" ہاں تو اب بتائیے ۔ آپ مندر کیوں گئے تھے ؟"

" یہ اب کون سی ڈھکی چھپی بات ہے ۔ اخبارات میں ساری تفصیل آ چکی ہے۔" اس نے کہا۔

" میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" وہ بولے۔

"بہت بہتر۔ سُن لیجیے۔ میرا ایک ہندو دوست ہے۔ بہت گہرا اور بچپن کا دوست۔ اس کا نام رائے راج ہے۔ اس کا میرے گھر آنا جانا ہے۔ وہ اکثر اپنے مذہب اور مندروں کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ ایک دن کہنے لگا۔ کسی روز میں بھی مندر چل کر دیکھوں کتنا پُر سکون ماحول ہوتا ہے۔ ایک روز تو اس نے بہت ہی دباؤ ڈالا کہ چل کر تو دیکھوں۔ میں اس کے ساتھ مندر چلا گیا۔ اس کے بعد بھی ایک دو بار جانے کا اتفاق ہوا۔ جس رات ہیرا چرایا گیا۔ اس صبح بھی میں مندر میں اس کے ساتھ گیا تھا اور کئی پجاریوں نے مجھے دیکھا تھا۔ اسی رات ہیرا چوری ہو گیا اور الزام مجھ پر لگا دیا گیا۔"

"کیا آپ کے دوست رائے راج نے ہیرے کے بارے میں آپ کو کچھ بتایا تھا؟"

"نہیں! ہیرے کے موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی۔ ہاں جس روز میں پہلی مرتبہ دیوی کے مندر میں گیا، اس روز اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔ دیوی کی آنکھ دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہیرے کی ہے۔"

"گویا آپ کئی مرتبہ مندر میں گئے۔ آخر کیوں؟"

"بس رائے راج کے کہنے پر۔ اور تو کوئی بات نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اکرام اور اس کے ماتحت مُنہ لٹکائے واپس

آئے۔

"کوٹھی کی تلاشی لی جا چکی ہے سر۔ ہیرا نہیں ملا، اب صرف تجوری اور الماریاں باقی ہیں۔" اکرام بولا۔

"ہوں! کیا خیال ہے امجد امیر صاحب۔ آپ کی تجوری اور الماریوں کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔"

"جی ہاں۔ کیوں نہیں۔ جب کوٹھی کے اتنے حصّے کی تلاشی لی جا چکی ہے۔ تو تجوری اور الماریاں کیوں چھوڑی جائیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ گیا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

وہ سب کے سب تجوری والے کمرے میں آئے۔ امجد امیر نے تجوری کھول دی اور خود پیچھے ہٹ گیا۔ انھوں نے پوری تجوری کو دیکھا بھالا، پھر بولے:

"اس میں کوئی خفیہ خانہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ویسے آپ اپنا اطمینان کر لیں یا تجوریوں کے کسی ماہر کو بُلا لیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"اس کی ضرورت ہوئی تو یہ بھی کیا جائے گا۔" انھوں نے کہا اور الماریوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ باری باری تمام الماریاں دیکھ ڈالی گئیں، لیکن ہیرے کا نام و نشان نظر نہ آیا۔

"اکرام۔ کیا پوری کوٹھی کی تلاشی مکمل ہو گئی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"صرف ایک کمرہ باقی ہے۔ ملازم نے بتایا ہے کہ وہ لائبریری
ہے۔ اس پر تالا لگا ہوا تھا، لہٰذا ہم اسے نہیں دیکھ سکے۔"
اکرام نے کہا۔

"اوہ ہاں۔ دراصل میں بہت قیمتی کتابیں جمع کرنے کا شائق
ہوں۔ اس لیے لائبریری کے دروازے پر ہمیشہ تالا لگائے رکھتا
ہوں۔ آئیے میرے ساتھ۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

اس کے پیچھے چلتے وُہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل
ہوئے۔ چاروں طرف ریک لگے ہوئے تھے اور ان میں کتابیں سلیقے
سے چُنی ہوئی تھیں۔ انسپکٹر جمشید تو ان کتابوں میں گم ہو کر
رہ گئے۔ واقعی امجد امیر نے بہت قیمتی کُتب کا ذخیرہ کر رکھا تھا۔

"بہت خوب۔ جی چاہتا ہے۔ اس لائبریری میں گھنٹوں گزار
دوں۔"

"آپ کو کُھلی اجازت ہے۔ جب جی چاہے۔ آجایا کریں۔"
امجد امیر بولا۔

"شکریہ!" اُنھوں نے کہا اور ایک موٹی سی کتاب ریک میں
سے نکال لی۔ کتاب کو کھولتے ہی ان کی پیشانی پر لکیریں اُبھر
آئیں۔ انھوں نے ایک نظر امجد امیر پر ڈالی اور پھر جلدی جلدی
کتاب کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسی جگہ سے دوسری کتاب
نکالی۔ پیشانی پر لکیریں اور گہری ہو گئیں۔ اب تو انھوں نے

جلدی جلدی اس پورے ریک کو دیکھ ڈالا۔ آخر کتابیں رکھ کر وُہ
امجد امیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔
پھر ان کے ہونٹ ہلے:

"مسٹر امجد امیر۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"کیا دیکھ رہے ہیں۔" امجد امیر کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیا آپ نے ابھی تک محسوس نہیں کیا، میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"
ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"صرف یہ کہ اس ریک کی کتابوں کو آپ بغور دیکھتے رہے ہیں۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ کی پوری لائبریری میں اسلامی
اور تاریخی کتب موجود ہیں۔ صرف یہ ریک ہندو مذہب پر لکھی گئی
کُتب سے بھرا پڑا ہے۔ آخر کیوں۔ کیا آپ کو ہندو مذہب سے اتنی
دلچسپی ہے۔" یہ الفاظ کہہ کر وُہ خاموش ہو گئے۔

"م۔ مجھے تو دراصل سبھی مذاہب سے دلچسپی ہے۔ ہر مذہب
کے بارے میں جاننے کی خواہش رکھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ۔ بات۔ تو آپ کی درست نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا
کر کہا۔

"جی کیا مطلب!" وُہ چونک اُٹھا۔

"دیکھیے نا۔ اگر آپ کو سبھی مذاہب سے دلچسپی ہوتی تو یہاں
ان سب پر کتابیں موجود ہوتیں، لیکن یہاں صرف اسلامی یا ہندووانہ

کتابیں ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کیوں؟" انھوں نے کہا۔
امجد امیر نے پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ جیسے سوچ رہا ہو۔ کیا جواب دے۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور امجد امیر زور سے چونکا۔

بُت کا خُون

" کیا کہا۔ خُون لگا ہے۔ تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ پتھر کے بُت میں خون کہاں۔" محمود بُرا سا منہ کر بولا۔

" دماغ میرا نہیں تمھارا چل گیا ہے، کیوں فرزانہ ٹھیک ہے نا۔" فاروق بھنّا اٹھا۔

" میرے خیال میں تو تم دونوں کا ہی دماغ چل گیا ہے۔" فرزانہ مُسکرائی۔

" ہاں بس۔ ایک تمھارا دماغ نہیں چلا۔" فاروق جل کر بولا۔

" فاروق! نیچے اُتر آؤ۔" محمود تلملا کر بولا۔

" کیوں۔ خیر تو ہے۔"

" میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں۔ میرا دماغ نہیں چلا۔"

" تو یہیں بتا دو نا۔" فاروق مسکرایا۔

" سنو۔ کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ خون اس شخص کا ہے۔ جس نے ہیرا چُرایا ہے۔ یہ ایک فضول خیال ہے۔ کیونکہ وہ ہیرے کو

انگلیوں سے نہیں کھرچ سکتا تھا، اس کام کے لیے اس نے ضرور کوئی نوکیلی چیز استعمال کی ہو گی۔ پھر بھلا اس کی انگلیوں کا خون کس طرح نکل سکتا ہے۔"

"میری نظر کمزور نہیں ہے۔ میں اس گڑھے اور گڑھے کے آس پاس خون لگا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ یہ خون یہاں کس طرح لگا، میں نہیں جانتا، لیکن ہم اس خون کو نظر انداز بھی تو نہیں کر سکتے۔"

"کیا پولیس نے اس خون کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہو گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"پتا نہیں۔ توجہ دی ہو گی یا نہیں۔ ویسے یہ خون بہت غور سے دیکھنے پر نظر آتا ہے۔ کیونکہ بت جس پتھر سے تراشا گیا، اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ ہے۔ خشک ہونے کے بعد خون بھی سیاہی مائل ہو جاتا ہے، اس لیے عین ممکن ہے۔ کسی نے خون نہ دیکھا ہو۔"

"فاروق ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں اس خون کا تجزیہ کرانا ہی ہو گا۔ نیچے اتر آؤ فاروق۔ انکل اکرام کو فون کر دیتے ہیں۔ ان کے ماتحت خود ہی خون کے ذرات کھرچ لیں گے۔"

پہلے تو انھوں نے اکرام کو فون کیا، لیکن اکرام دفتر میں نہیں تھا؛ چنانچہ محمد حسین آزاد حوالدار کو ہدایات دینا پڑیں، پھر پجاری جی کے کمرے میں گھس گئے۔ وہ لکڑی کے ایک تختے پر چت لیٹا ہوا تھا، تختے پر کوئی گدا وغیرہ بھی نہیں بچھا تھا۔ انھیں اندر داخل

ہوتے دیکھ کر بھی وہ نہ اٹھا۔ جوں کا توں لیٹا رہا:

"کیا رہا؟" اس نے کہا۔

"ہمیں کسی قدر کامیابی ہوئی ہے۔ اور جب ہمیں ایک بار کسی کیس میں کسی حد تک کامیابی ہو جاتی ہے تو پھر ہم آخری حد تک کامیابی حاصل کر ہی لیتے ہیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔ پجاری جی نے اسے تیز نظروں سے گھورا، لیکن پھر مسکرا کر کہنے لگا:

"بھئی واہ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ لوگ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا مجھے تفصیل بتانا پسند کریں گے۔"

"تفصیل ابھی کہاں۔ بس یہ سن لیں کہ آنکھ والے گڑھے میں خون لگا ہوا ہے۔ کیا اس وقت تک کسی پولیس آفیسر نے یہ بات نوٹ کی اور اس سلسلے میں کوئی کارروائی کی۔"

"لیکن آپ لوگوں نے خون کس طرح دیکھ لیا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی آنکھوں سے۔ صاف ظاہر ہے، ہاتھوں سے تو دیکھ نہیں سکتے تھے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ پولیس آفیسرز کو تو نظر نہیں آیا۔ آپ کو کس طرح نظر آ گیا۔ دوسرے یہ کہ نیچے کھڑے رہ کر تو کسی بھی صورت خون نظر نہیں آ سکتا۔"

"میں اوپر چڑھا تھا۔"

"کیا۔ یہ آپ نے کیا کیا؟" وہ اچھل کر بیٹھ گیا، چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے:

"کیوں۔ ہم نے ایسا کیا جرم کر ڈالا۔ باقی پجاریوں کی اجازت سے ہی کیا تھا۔" محمود نے کہا۔

"دیوی جی پر پاؤں رکھنے والا زندہ نہیں بچتا۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔" فاروق بوکھلا کر بولا۔

"اسے کون ہلاک کر دیتا ہے؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دیوی جی خود۔ عنقریب تمہارا یہ ساتھی ہلاک ہو جائے گا۔ یا تو کسی حادثے کا شکار ہو جائے گا یا بیمار ہو کر مر جائے گا۔ اس بات کو لکھ لو۔ یہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔"

"ٹھ ٹھ۔ ٹھہریے۔ مم۔ لکھ لیتا ہوں۔" فاروق نے کانپ کر کہا اور جیب میں قلم کاغذ تلاش کرنے لگا۔

"ہم نے ایسا پجاریوں کی اجازت سے کیا ہے، خیر ہمارا ایمان ہے، موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ اس بات کو چھوڑیں کہ ہمارا بھائی زندہ رہتا ہے یا نہیں۔ ہم آپ کو صرف یہ بتانے آئے تھے کہ اب باقاعدہ کارروائی شروع ہو رہی ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

پجاری جی نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ اپنا عصا پکڑا اور اس کے

سہارے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ بھی ان کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا اور مندر کے ہال میں داخل ہونے کے بعد دیوی کی آنکھ پر نظریں جما دیں۔ اچانک اس کے منہ سے نکلا:

"مم۔ میں معافی چاہتا ہوں دیوی جی۔ جو کچھ ہوا، اس میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔ لہٰذا مجھے سزا نہ دیجیے گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ چند قدم آگے بڑھا، پھر دھڑام سے گرا اور ساکت ہو گیا۔

"ارے۔ یہ تو بے ہوش ہو گئے۔" فرزانہ بوکھلا کر بولی۔

بہت سے پجاری اس کی طرف لپکے۔ عین اسی وقت اس کے جسم میں حرکت ہوئی۔ اس نے فرش کو ٹٹول کر عصا اٹھا لیا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔ وہ بری طرح لرز رہی تھیں۔ آخر پجاریوں نے اسے سہارا دیا۔ ایک پجاری نے عصا اس کے ہاتھ سے لے لینا چاہا، لیکن اس نے اسے جھٹک دیا اور اکڑ کر بولا:

"مجھے کمزور سمجھتے ہو۔ چھوڑ دو مجھے۔ میں چل سکتا ہوں۔"

عین اسی وقت محمد حسین آزاد اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ ماتحت بھی تھے۔ وہ سیدھا ان کی طرف آیا:

"آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ میرا خیال تھا۔ آپ انسپکٹر صاحب کے ساتھ ہوں گے۔"

"کیوں۔ وہ کہاں ہیں۔ انھیں تو گھر ہونا چاہیے۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"تھوڑی دیر پہلے انھیں صدر صاحب نے بلایا تھا۔ وہاں تمام بڑے آفیسر بھی تھے۔ سننے میں آیا ہے کہ ہمارے دشمن پڑوسی مُلک نے دھمکی دی ہے کہ اگر ہیرا دیوی کا ہیرا نہ ملا تو وُہ ہمارے مُلک پر باقاعدہ حملہ کر دے گا۔"

"اوہ۔گویا یہ کیس ابّا جان کے سُپرد کر دیا گیا ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں! یہ اور بھی اچھی بات ہے کہ تم ان سے بھی پہلے اس معاملے میں اُلجھ گئے۔ لیکن یہ ہوا کس طرح؟"

"چند ہندو ہم پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن ہم نے انھیں تگنی کا ناچ نچا ڈالا۔اور پھر یہ پیش کش کر ڈالی کہ ہم ان کی دیوی کا ہیرا تلاش کر کے دے سکتے ہیں۔"

"اور انھوں نے مان لی۔" محمد حسین آزاد حیران ہو کر بولا۔

"ہاں! نہ صرف مان لی۔ بلکہ ہمیں تفتیش کرنے کی اجازت بھی دے دی اور ابھی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے آنکھ والے گڑھے کے پاس لگا خُون دیکھ لیا، جب کہ اب تک تفتیش کرنے والے خون کو نہیں دیکھ سکے۔وُہ دیکھ بھی کس طرح سکتے تھے۔انھوں نے تو بُت پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"ہوں۔ یہ پجاری جی کو کیا ہوا۔ بہت کپکپا رہے ہیں؟"

"انھیں فاروق کے اوپر چڑھنے کا صدمہ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ آج تک کسی نے دیوی جی پر پاؤں نہیں رکھے۔گویا فاروق ایسا پہلا آدمی ہے۔اور یہ ایک سال کے اندر اندر مر جائے گا۔"

"کیا!" محمد حسین آزاد چلّا اُٹھا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں آزاد صاحب۔ یہ ان کا خیال ہے۔ ہمارا نہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے زندگی لکھ دی ہے۔کوئی انسان اس سے پہلے نہیں مر سکتا۔"

"ہوں۔ تو آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس خون کو کھُرچ لیا جائے اور تجزیہ کرایا جائے۔"

"ہاں۔"

"تو کیا۔ یہ خون اس شخص کا ہے۔ جس نے ہیرا چُرایا ہے۔"

"بھلا اس کے ہوا کس کا ہو سکتا ہے۔بُت کا خون تو ہونے سے رہا۔"

"تب پھر اس کے لیے ہمیں امجد امیر کا خون بھی لینا پڑے گا۔ کیونکہ اس سلسلے میں اگر کوئی شخص شک کی زد میں ہے تو امجد امیر۔ اور امجد امیر کے خُون کا نمونہ حاصل کرنا آسان کام نہیں ہو گا۔" محمد حسین آزاد فکرمندانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"کیوں۔ آسان کیوں نہیں ہو گا۔"

"امجد امیر بہت اکھڑ آدمی ہے۔ گورنر صاحب کا سالا ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکل سکا تو اس کے خون کا نمونہ ہم حاصل کریں گے۔" محمود نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

محمد حسین آزاد اور اس کے ماتحت آگے بڑھے۔

"ہمیں اس خون کا نمونہ حاصل کرنا ہو گا۔ اس کے لیے اوپر چڑھنا ہو گا۔ کیا آپ کی اجازت ہے؟"

"میرے ساتھی ان بچوں کو اجازت دے کر بھاری غلطی کر چکے ہیں۔ میں یہ غلطی کس طرح کر سکتا ہوں؟"

"تب ہم ایک اونچے سٹول کا انتظام کر لیتے ہیں۔ اس پر چڑھ کر تو خون حاصل کیا ہی جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا، اس میں کوئی حرج نہیں۔" اس نے کہا اور عصا ٹیکتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

محمد حسین ساتھیوں کو ہدایات دینے کے بعد ان کی طرف مڑا:

"بہتر ہو گا۔ آپ اپنا کام بھی کر ہی ڈالیں۔"

"کیا مطلب؟"

"خون کا نمونہ حاصل کرنے میں ہمیں بہت دشواری کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس میں بہت دیر بھی لگ سکتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں بھی تم لوگوں کو ہی بھیجنا ہو گا۔ تو کیوں نہ پہلے ہی یہ کام کر ڈالیں۔"

"آپ۔ آپ چاہتے ہیں، ہم ان کا خون لے آئیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں۔"

"بہت بہتر۔ تو پھر ہم چلے۔" محمود نے کہا اور تینوں باہر نکل آئے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم خون حاصل کس طرح کریں۔ وہ شخص رضاکارانہ انداز میں تو دے گا نہیں۔ ہاتھ آگے بڑھا کر یہ تو کہے گا نہیں کہ یہ لو۔ میرا خون حاضر ہے۔"

"ہاں۔ اس کے لیے کوئی ترکیب کرنا ہو گی۔" محمود نے کہا۔

"صاف۔ بلکہ بالکل صاف ظاہر ہے۔ ترکیب فرزانہ بتائے گی۔" فاروق کے لہجے میں شوخی تھی۔

"اور کیا۔ تم دونوں کی عقلیں تو ہر وقت بس گھاس چرتی رہتی ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا اور سوچ میں گم ہو گئی۔

"لو بھئی۔ اس نے تو لگائی ڈبکی۔ سوچ کے سمندر میں۔ بس اب آن کی آن میں کوئی ترکیب اس میں سے نکال لائے گی۔ بھرا پڑا ہے یہ سمندر ترکیبوں سے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔ محمود مسکرا دیا۔ اسی وقت فرزانہ چونک کر بولی:

"چلو۔ آ گئی ترکیب ذہن میں۔ لیکن مجھے گھر سے انگوٹھی لینا ہو گی۔"

"کیا مطلب – انگوٹھی کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"بس پڑ گئی – چلو چلیں۔" اس نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

تینوں گھر پہنچے تو بیگم جمشید نے نیا حکم سُنایا:

"تمھارے ابا جان کا حکم ہے – گھر آنے کے بعد تم کہیں نہ جاؤ۔"

"جی – کیا فرمایا – کہیں نہ جائیں۔"

"ہاں!" وہ بولیں۔

"لیکن امی جان – ہمارا کہیں جانا تو بہت ضروری ہے۔" محمود گھبرا کر بولا۔

"یہ میں نہیں جانتی – بہت ضروری ہے، یا کم ضروری – میں نے تو تمھیں تمھارے ابا جان کا حکم سُنا دیا ہے۔"

"امی جان! ابا جان کا حکم سر آنکھوں پر – لیکن ہمارا جانا واقعی بہت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے – اس صورت میں میں انھیں بتا دوں گی کہ تم لوگ آئے ضرور تھے، لیکن آپ کے حکم کی پروا کیے بغیر پھر چلے گئے –" وہ بولیں۔

"مارے گئے – اب کیا کریں۔" فرزانہ بے چارگی کے عالم میں بولی۔

"یہ سب کیا دھرا تمھارا ہے – کیا تم انگوٹھی کے بغیر کوئی ترکیب نہیں سوچ سکتی تھیں۔"

"ضرور سوچ سکتی تھی، لیکن اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ انگوٹھی ہمیں پھنسوا دے گی۔" وہ بولی۔

"انگوٹھی کے بغیر کوئی ترکیب – انگوٹھی پھنسوا دے گی – یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔" وہ حیران ہو کر بولیں۔

"جی – یہ ترکیب کی باتیں ہیں – وہ بھی فرزانہ کی بتائی ہوئی ترکیب کی باتیں۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تمھاری باتیں میرے پلّے نہیں پڑ رہیں۔"

"حالات کا جائزہ لینے کے بعد اور صورتِ حال نازک محسوس کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں جانا ہی ہوگا – ابا جان نے جب ہمارے لیے ہدایت کی ہوگی – اس وقت انھیں یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ ہم ان سے بھی پہلے ہیرا دیوی کے کیس میں اُلجھ چکے ہیں – جب ہم انھیں یہ بات بتائیں گے تو وہ ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوں گے اور ہمیں شاباش دیں گے۔" فرزانہ نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"ہیرا دیوی –" بیگم جمشید چونک اُٹھیں۔

"جی ہاں، امی جان – ہم اس وقت ہیرا دیوی کے کیس میں اُلجھے ہوئے ہیں – ابھی تھوڑی دیر پہلے صدرِ مملکت صاحب نے ابا جان کو بلا کر یہ کیس سونپا ہے – ان حالات میں تو ہم اس کیس پر کام کرتے ہوئے ان کے کام آئیں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو چلے جاؤ۔ دیکھا جائے گا۔" آخر انھوں نے کہا۔

فرزانہ نے اپنی انگوٹھی لی۔ اسے انگلی میں پہنا اور تینوں باہر نکل آئے۔ ایک بار پھر وہ اڑے جا رہے تھے۔ امجد امیر کی کوٹھی کے بارے میں انھیں پہلے ہی معلوم تھا، لہٰذا وہاں تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھے۔ ان کے والد کی گاڑی بھی دروازے پر کھڑی تھی:

"اوہو۔ ابا جان تو اندر موجود ہیں۔"

"ہاں۔ اب کیا کریں؟" فرزانہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

"صاف ظاہر ہے۔ وہ اس وقت کیس کے سلسلے میں امجد امیر سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔"

"اور نہ صرف ابا جان۔ بلکہ انکل اکرام اور ان کے ماتحت بھی موجود ہیں۔"

"پھر اب کیا کریں؟"

"کرنا کرانا کیا ہے۔ وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔ ان کے اندر موجود ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اندر نہیں جا سکتے اور اپنا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ یا ہم ان کے باہر نکلنے کا انتظار کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔"

اس کا خیال درمیان میں رہ گیا، اسی وقت ایک کار آ کر ان کے بالکل قریب رُکی تھی۔ اس میں سے درمیانے قد کا ایک آدمی نیچے اترا۔ اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور مُلازم کی صورت دکھائی دی۔ ساتھ ہی وہ چہکا:

"اوہو۔ آپ ہیں۔ تشریف لے آئیے جناب۔" اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے کہا۔

اس شخص کے اندر داخل ہوتے ہی ملازم نے دروازہ بند کر لیا۔

"اندر جانے والے اس طرح جاتے ہیں۔ ایک ہم ہیں۔ جو ابھی تک کھڑے ہیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"پھر۔ اب کیا کریں؟"

"اب چند منٹ انتظار کرنا بہتر ہو گا۔ پہلے امجد امیر کو اس مُلاقاتی سے تو نبٹ لینے دو۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ لیکن یہ ہے کون؟"

"آؤ۔ ابھی معلوم کر لیتے ہیں۔ جب تک وہ اندر مُلاقات کرے گا۔ ہم اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں گے۔"

وہ جلدی سے اس کی کار کی طرف بڑھے۔ اس کے نمبر نوٹ کیے۔ محمود نے جیب سے کار کی چابیوں کا گچھا نکالا اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر بے فکری کے انداز میں کار میں چابیاں لگانے لگا۔

"ایسے میں اگر وہ اچانک باہر نکل آیا تو ہمیں ضرور کار چور خیال کرے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"کرنے دو خیال۔" محمود نے منہ بنایا، عین اسی وقت چابی لگ گئی۔ محمود نے فوراً دروازہ کھولا اور کار کے کاغذات نکال لیے۔ اس نے کار کے مالک کا نام پڑھا:

"رائے راج۔"

"اوہو رائے راج۔ یعنی وہ ہندو جو امجد امیر کو مندر میں لے گیا تھا۔"

"ہاں۔ وہی۔ خدا جانے کیا چکر ہے؟"

"چکر گہرا معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"چکر جب تک گہرے نہ ہوں۔ ہمیں مزا بھی تو نہیں آتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے۔ اب تک ان میں علیک سلیک ہو چکی ہو گی۔ لہذا کیوں نہ ہم بھی دھاوا بول دیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔۔۔

گال پر زخم

"خیر تو ہے۔ گھنٹی کی آواز سن کر آپ چونکے کیوں؟"

"شاید میرے دوست رائے راج آئے ہیں۔"

"اوہو۔ اچھا۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"جی کیا مطلب۔ اور بھی اچھی بات کس طرح۔" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"اس طرح کہ کیس کے سلسلے میں مجھے ان سے ملنے کے لیے تو جانا ہی تھا، وہ خود ہی یہاں آ گئے۔ لگے ہاتھوں ان سے بھی چند سوالات ہو جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ اس بات کو پسند نہ کرے۔"

"تو کیا ہوا۔ کوئی پسند کرے یا ناپسند، مجھے تو اپنا کام کرنا ہے۔ ہاں تو ان کتابوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہ کتابیں مجھے رائے راج نے ہی لا کر دی تھیں، وہ چاہتا تھا،

میں ان کے مذہب کا مطالعہ کروں۔" اس نے کہا۔

" اور کیا آپ نے بھی اپنے مذہب کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں؟" انھوں نے پوچھا۔

" جج - جی - نہیں۔"

" کس قدر افسوس کی بات ہے - دوسرے مذہب والے اپنی کتابیں آپ کو دیں اور آپ انھیں پڑھیں بھی، پھر ان کی عبادت گاہوں میں بھی جائیں، لیکن آپ اپنے مذہب کی کتابیں انھیں پیش کرنے کی ضرورت تک نہ سمجھیں - کوئی کوشش تک نہ کریں۔"

امجد امیر نے ناخوش گوار انداز میں ان کی طرف دیکھا - شاید ان کی یہ بات اسے پسند نہیں آئی تھی - اسی وقت ملازم اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:

" جناب! رائے صاحب تشریف لائے ہیں، میں انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا آیا ہوں۔"

" تم نے اچھا کیا شیر خان۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑا:

" اگر اجازت ہو تو میں اپنے دوست سے مل آؤں؟"

" ضرور ضرور - ہم اس دوران لائبریری کو دیکھ لیں گے - لیکن آپ اپنے دوست کو رخصت نہ کر دیجیے گا - مجھے ان سے سوالات کرنا ہیں۔" انھوں نے کہا۔

" جی بہتر - فکر نہ کریں۔ وہ ابھی نہیں جائیں گے۔"

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید اور اکرام لائبریری کا بغور جائزہ لینے لگے -

" ان کتابوں میں بھلا ہمیں، ہیرا کہاں مل سکتا ہے۔" اکرام نے سرد آہ بھری۔

" لیکن یہاں آنے کا اتنا فائدہ تو ہوا ہی ہے کہ رائے راج کی ذہنیت معلوم ہو گئی ہے - اب ہمیں اس کی بھی نگرانی کرانا ہوگی۔"

" ہاں - یہ آدمی مجھے خطرناک لگتا ہے - جو مسلمانوں کے ملک میں رہ کر ہندو مذہب کا پرچار کر رہا ہے - یہ تو خلافِ قانون بات ہے - اور اس کا باقاعدہ نوٹس لیا جا سکتا ہے - خیر - آؤ پہلے تو ذرا لائبریری کو بغور دیکھ لیں۔"

انھوں نے ایک ایک کتاب کا جائزہ لینا شروع کیا - زیادہ توجہ ہندو مذہب کی کتابوں پر دی - ایک کتاب کو اٹھا کر درمیان میں سے کھولا ہی تھا کہ ایک خط رکھا نظر آیا - ان کے ہاتھ رک گئے - خط نکالا - تو لکھا نظر آیا:

" ڈیر امجد!

ہندو مذہب میں تمھاری دلچسپی میرے لیے بہت حوصلے کی بات ہے - میں ہر قسم کی معلومات بہم پہنچاؤں گا اور کتابیں بھی لا کر دوں گا - یہاں تک کہ ہمارا مذہب ایک آئینے کی مانند نظر آنے لگے گا - اس وقت آپ یہ محسوس

کریں گے کہ اختیار کرنے کے لائق اگر کوئی مذہب ہے
تو ہندو مت۔ اور۔ آپ سمجھتے ہی ہیں۔ میں اور کے
بعد کیا کہنا چاہتا ہوں۔

فقط آپ کا

رائے راج۔"

انھوں نے اِس خط کو دو تین بار پڑھا۔ ہر بار اُلجھن میں اور
اضافہ ہی ہوا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"کیوں بھئی اکرام۔ یہ کیسا خط ہے؟"

"بہت سنسنی خیز۔ آخر رائے راج اور کے بعد کیا کہنا چاہتا تھا۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیا کہنا چاہتا تھا۔ میرے پلے تو کچھ پڑا
۔" اکرام بڑبڑایا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ انسپکٹر جمشید
اور اکرام ایک ساتھ چونکے۔ کیونکہ گھنٹی بجانے کا انداز محمود کے
علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

○

"ہیلو رائے بہت اچھے موقعے پر آئے میرے گھر میں اس
وقت انسپکٹر جمشید اور ان کے ماتحت موجود ہیں وہ اس وقت لائبریری

موجود ہیں اور انھوں نے تمھاری لائی ہوئی کتابیں دیکھ لی ہیں۔
نے۔ میرے پڑھ لینے کے بعد تمھیں یہ کتابیں واپس لے جانی چاہیے
تھیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"انسپکٹر جمشید کا کہنا ہے کہ ایک غیر مسلم مُسلمان مُلک میں اپنے
مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ یہ غیر قانونی بات ہے۔ اب کہیں وہ
تمھیں باندھ نہ لے۔"

"فکر نہ کرو۔ دیکھا جائے گا۔ اگر یہ جُرم ہے تو اتنا بڑا نہیں۔
میری نیت یہ نہیں تھی کہ میں تمھیں تمھارے مذہب سے ہٹا لوں۔
اور اپنے مذہب میں شامل کر لوں۔"

"ہاں۔ میں تمھاری نیت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور تم بھی فکر نہ
کرو۔ اگر انسپکٹر جمشید نے تمھیں باندھنے کی کوشش کی تو میں اس کے
راستے کی دیوار بن جاؤں گا۔"

عین اسی وقت گھنٹی کی آواز سُنائی دی۔ وُہ ایک بار پھر
چونک اُٹھے:

"اب اور کون آگیا؟" رائے راج نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں۔ شیر خان دیکھ لے گا۔"

دو منٹ بعد شیر خان اندر داخل ہوا اور بولا:

"دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ آپ کے لیے ایک اہم خبر لے کر آئے

ہیں۔ فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"دو لڑکے اور ایک لڑکی۔" اس نے اُلجھن کے عالم میں کہا، پھر بولا:

"خیر۔ بلا لاؤ۔"

شیر خان چلا گیا اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔

"السلامُ علیکم۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام۔ تم لوگ کون ہو اور میرے لیے کیا خبر لائے ہو؟"

"خبر بہت اہم ہے۔ میں صرف کان میں بتا سکتی ہوں۔" یہ کہہ کر فرزانہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"ارے۔ ارے۔ وہیں رہ کر بتاؤ۔ یہ میرے بہت اچھے دوست ہیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا، لیکن اتنی دیر میں وہ اس کے نزدیک پہنچ چکی تھی اور نہ صرف نزدیک پہنچ چکی تھی۔ بلکہ اس کے کان پر جھک بھی چکی تھی۔ امجد امیر بوکھلا کر جو اٹھا تو فرزانہ سے ٹکرا گیا اور ٹکرا کیا گیا، اُلجھ گیا، ساتھ ہی اس کے مُنہ سے نکلا:

"اُف۔ یہ کیا ہُوا؟"

"جی۔ کیا ہُوا؟" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"یہ۔ میرے گال پر۔" اس نے غصّے میں آتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ آپ کے گال پر تو خون چھلک آیا ہے۔ ہائیں۔ یہ کیا ہوا

لائیے۔" یہ کہتے ہوئے فرزانہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا رُومال اس کے گال پر رکھ دیا اور پھر ہٹا بھی لیا۔

"کیا مصیبت ہے۔ آخر میرے گال پر لگا کیا؟"

"شاید اس لڑکی کا ناخن۔ آج کل لڑکیوں کو ناخن بڑھانے کا جنون ہے۔" رائے راج نے مُنہ بنایا۔

"جی نہیں۔ میں نے ناخن نہیں بڑھا رکھے۔ آپ دیکھ لیں۔ یہ بالکل بھی نہیں بڑھے ہوئے اور خراش ڈالنے کے قابل سرے سے ہیں ہی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں اُلٹ کر اُن کے سامنے کر دیں۔ انھوں نے دیکھا۔ ناخن واقعی نہایت صفائی سے تراشے گئے تھے۔

"تب پھر میرے گال پر زخم کس طرح آیا؟"

"شش۔ شش شاید۔ میری انگوٹھی۔" فرزانہ ہکلا کر رہ گئی۔

"انگوٹھی۔ کیا مطلب؟"

"اس کے نگینے کے پاس ایک نوک سی اُبھری ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ آپ کے گال میں چبھ گئی۔"

"ضرور یہی بات ہے۔ لیکن تمھیں اتنی خطرناک انگوٹھی نہیں پہننی چاہیے۔"

"مجھ سے بھاری غلطی ہوئی۔ اب نہیں پہنوں گی۔" اس نے شرمسار ہو کر کہا۔

" اچھا خیر۔ تم لوگ مجھے کیا خبر سنانے آئے تھے۔"

" یہ کہ۔ صدر مملکت صاحب نے ہیرا دیوی والا کیس انسپکٹر جمشید کے سپرد کر دیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

" اور اب تم نے یہ خبر مجھے کان میں کیوں نہ سنائی۔" امجد امیر نے تلملا کر کہا۔

" خ۔ خیال۔ خیال نہیں رہا۔" فرزانہ ہکلائی۔

" تمھاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ مجھے یہ خبر پہلے ہی سنائی جا چکی ہے۔ تم تو بس میرے گال کو زخمی کرنے آئے تھے۔ اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

" بب۔ بہت بہتر۔ آؤ بھئی چلتے پھرتے نظر آئیں۔" فاروق نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ تینوں کمرے سے نکل گئے ۔۔۔ برآمدے میں سے گزرے جا رہے تھے کہ ایک ہلکی سی آواز پیروں کی زنجیر بن گئی:

" یہ تم تینوں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

انھوں نے چونک کر دیکھا۔ ایک کمرے کے دروازے میں سے انسپکٹر جمشید سر نکالے انھیں گھور رہے تھے۔

" تو آپ یہاں ہیں۔ ڈرائنگ روم میں آپ کو نہ پا کر ہمیں حیرت ضرور ہوئی تھی، لیکن اس وقت ہم اپنی حیرت کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔" محمود نے ان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

" کیوں۔ اس وقت تم لوگ کیا کر رہے تھے؟" اکرام نے مسکرا کر پوچھا۔

" امجد امیر کا گال زخمی کر رہے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" کیا مطلب!"

" کیا آپ چاہتے ہیں۔ ہم برآمدے میں کھڑے رہ کر ہی سب کچھ بتائیں۔"

" نہیں۔ تم شوق سے اندر آ سکتے ہو۔" انھوں نے کہا اور دروازہ پورا کھول دیا۔

" ہو سکتا ہے، امجد امیر کو یہ بات پسند نہ آئے۔ کیونکہ وہ ہم سے کہہ چکے ہیں کہ چلتے پھرتے نظر آئیں۔"

" تو کیا ہوا۔ وہ سامنے آ جائیں تو تم چلتے پھرتے نظر آنے کی کوشش کر ڈالنا۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

" بہت بہتر۔" محمود نے کہا اور تینوں اندر داخل ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے دروازہ بند کر لیا، پھر بولے:

" کیا تم گھر ہو آئے ہو؟"

" جی ہاں۔ ہمیں وہاں فرزانہ کی انگوٹھی لینے کے لیے جانا پڑا تھا، لیکن۔ وہاں امی جان نے آپ کا حکم سنایا۔ افسوس ہم وہاں نہ رک سکے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

" کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ سے پہلے ہی ہم اس معاملے میں اُلجھ چکے تھے اور اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ رکے نہیں رہ سکتے تھے — آپ پہلے پوری تفصیل سُن لیں، پھر اگر آپ نے یہ محسوس کیا کہ ہم نے گھر سے آکر غلطی کی تو آپ ہمیں شوق سے جھاڑ پلا دیجیے گا —" فرزانہ بولی۔

"جی ہاں — بہت دن ہو گئے آپ کو جھاڑ پلائے اور ہمیں پیے — اب تو ہو ہی جائے جھاڑ کی دعوت۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"کیا کہہ رہے ہو — جھاڑ کی دعوت۔" فرزانہ بھنّا کر بولی۔

"لیکن افسوس — یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے بھنّا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اچھا — یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی — پہلے تو تم تفصیل سُناؤ۔"

محمود نے پوری کارروائی سنا ڈالی — اس کے خاموش ہوتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"بھئی واہ — ان حالات میں تم نے گھر سے نکل کر اچھا ہی کیا — خیر — اب چونکہ تم امجد امیر کو ایک خبر سُنانے کے بہانے آئے تھے — اور وُہ خبر سُنا چکے ہو — جس سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ تم میری ہی اولاد ہو، اس لیے یہاں سے نکل جاؤ اور باہر کہیں ٹھہر کر ہمارا انتظار کرو — ہم یہاں کی تلاشی مکمل کر کے ابھی آتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"جی بہتر — یہ لیجیے — ہم چل دیے۔" محمود نے کہا۔

تینوں کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے اور چٹخنی گرا دی:

"خدا حافظ ابا جان — اُمید ہے — آپ سے بہت ہی جلد مُلاقات ہو گی۔"

"خدا حافظ — مجھے بھی یہی اُمید ہے۔" وہ مسکرائے۔

دروازہ کھولتے ہوئے قدم کمرے سے باہر نکالا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رُک گئے — دروازے میں امجد امیر اور رائے راج کھڑے تھے — دونوں عجیب سے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے —

کمرۂ امتحان

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، تم لوگ تو رُخصت ہو گئے تھے، پھر ابھی تک یہاں کیوں نظر آ رہے ہو اور ان لوگوں کے پاس کیا کر رہے تھے۔"

"مسٹر امجد — یہ میرے بچے محمود، فارُوق اور فرزانہ ہیں۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"ہوں! تب پھر انھوں نے یہ کیوں کہا تھا کہ یہ میرے لیے ایک نئی خبر لے کر آئے ہیں — آخر اس حرکت سے ان کا کیا مطلب تھا۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب کہ یہ آپ کے خُون کا نمونہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا — خون کا نمونہ — میں سمجھا نہیں۔"

"مندر کی دیوی کی پیشانی سے ہیرا چرایا گیا ہے — اسے کسی نہ کسی طرح اس جگہ سے کھُرچا گیا ہے — انھوں نے اس گڑھے میں خون کے دھبے پائے ہیں — خیال یہ ہے کہ جس کسی نے بھی ہیرا چرایا ہے، وہاں اسی کا خون لگا ہوا ہے، اب چونکہ اس معاملے میں صرف اور

صرف آپ کا نام سننے میں آ رہا ہے، اس لیے انھوں نے آپ کے خون کا نمونہ حاصل کرنے کا پروگرام بنایا — اور یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا، رائے راج کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔

"اب ہم دونوں نمونوں کو آپس میں ملا کر دیکھیں گے اور اس طرح دودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔" وہ بولے۔

"ویسے تو دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہو بھی چکا ہے۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"ہو بھی چکا ہے — کیا مطلب۔"

"ان کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے — اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔"

"یہ — یہ — یہ تو —" امجد امیر ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں ہاں — بتائیے — یہ انگلیاں کس طرح زخمی ہوئی ہیں۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا — یہ کس طرح زخمی ہوئی ہیں — میں خود اب تک حیران ہوں۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب — آپ کو معلوم ہی نہیں — کہ اُنگلیاں کس طرح زخمی ہوئی ہیں — بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"پتا نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے، ایک روز شام کے وقت مجھے اچانک نیند آگئی۔ آنکھ کھُلی تو ان انگلیوں سے خُون بہہ رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق بولا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی۔ بس میری اُنگلیاں مجھے زخمی ملیں۔"

"کیا آپ اسی طرح شام کے وقت اچانک سو جانے کے عادی ہیں؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ مجھے تو اب تک حیرت ہے۔ مجھے نیند کیوں آگئی تھی۔"

"اور یہ کتنے روز پہلے کی بات ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"تقریباً دس گیارہ روز پہلے کی۔"

"ہیرا چوری ہونے سے پہلے کی یا بعد کی؟" وہ بولے۔

"چوری ہونے سے پہلے کی۔" اس نے کہا۔

"ہوں۔ گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہیرا چوری ہونے سے پہلے کسی نے آپ کی انگلیاں زخمی کرکے آپ کا خون حاصل کر لیا اور ہیرا نکال کر خون وہاں لگا دیا گیا۔"

"ہاں بالکل۔ حالات تو یہی کہہ رہے ہیں۔"

"حالات نہیں۔ آپ۔ یہ آپ کی کہانی ہے۔ جس پر عدالت کسی قیمت

پر یقین نہیں کرے گی۔" انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے۔

"عدالت۔ کیا مطلب۔ کیا مجھے عدالت میں لے جایا جائے گا۔"

"ہاں! اگر آپ کے خلاف ثبوت مکمل ہو گیا تو یہ کرنا ہی ہوگا۔"

"آپ کی بھول ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ مجھے عدالت تک نہیں لے جا سکیں گے، کیونکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"بعض اوقات جرم نہ کرکے بھی عدالت تک جانا پڑتا ہے۔ بلکہ کچھ لوگ تو جیل تک ہو آتے ہیں، جب کہ ہوتے ہیں بالکل بے گناہ۔"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔ آپ اپنی کوشش کر لیں۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ آپ کو ضرور ہی جیل جانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ آپ بالکل بے گناہ ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں یا گناہ گار۔ آپ ہر حال میں مجھے پھانس کر رہیں گے۔" وہ تلملا اٹھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

"کیا اس طرح خون کا نمونہ حاصل کرنا قانونی ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے، یہ قانونی طریقہ نہ ہو، لیکن جن حالات میں یہ اقدام کیا گیا، ان میں جائز ہی خیال کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے، گورنر صاحب نے آپ کو بتا ہی دیا ہوگا کہ ملک اس وقت کن حالات کا شکار ہو چکا

ہے۔ دشمن ملک کا مطالبہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا۔"

"جی ہاں ۔ معلوم ہے ۔ لیکن جب تک آپ میرے پاس سے ہیرا برآمد نہیں کر لیتے ۔ مجھے گرفتار کس طرح کیا جا سکتا ہے۔"

"اس خیال میں بھی نہ رہیے مسٹر امجد امیر ۔ ثبوت مکمل ہونے کے بعد ہم آپ کو ضرور گرفتار کریں گے ۔ ہیرا برآمد ہو یا نہ ہو ، لیکن پڑوسی دشمن ملک کو مطمئن کرنے کے لیے ہیرا بھی برآمد کرنا ہی پڑے گا ۔ خیر یہ میرا کام ہے ۔ میں کر لوں گا ۔" انھوں نے لاپروائی کے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف چل پڑے ۔

"ابا جان ! مجھے ڈر ہے ۔ یہ ملک سے فرار نہ ہو جائے۔"

"اس کی کوشش ناکام بنا دی جائے گی ۔ اکرام کے ماتحت اس کی پوری طرح نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ویری گڈ ۔ میرا خیال ہے ، اس وقت تک خون کی رپورٹ دفتر پہنچ چکی ہو گی ۔ ہمیں فرزانہ کا رومال بھی تجزیے کے لیے دینا ہے ۔ کیوں نہ پہلے یہی کام کر لیا جائے۔"

"اور ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

فرزانہ کا رومال لیبارٹری کے حوالے کر کے وہ دفتر آ گئے ۔ دیوی کی آنکھ کے گڑھے پر پائے جانے والے خون کا تجزیہ کر لیا گیا تھا ، اور رپورٹ ان کی میز پر موجود تھی۔

"جب تک دوسری رپورٹ نہ پہنچ جائے ۔ اس وقت تک ہم

کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو بیٹھ ہی سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اور اگر صدر مملکت صاحب نے ہمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تب بھی وہ یہی خیال کریں گے کہ ہم کیس پر غور کر رہے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا بس ۔ دماغ چاٹنے کی ناکام کوشش نہ کرو۔" محمود بولا۔

"ناکام کیوں کرنے لگا ۔ میں تو ہمیشہ کامیاب کوشش کرتا ہوں۔" فاروق بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

"غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر امجد امیر مجرم ثابت ہو گیا اور اس نے ہیرے کا پتا بھی نہ بتایا تو کیا ہو گا ۔ دشمن ملک کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہیرا برآمد کیا جائے ۔ دوسرا یہ ہے کہ چور کو پکڑا جائے ، لیکن اگر صرف چور کو پکڑا گیا تو وہ لوگ مطمئن نہیں ہوں گے ۔ وہ ہیرے کا مطالبہ کریں گے ۔ اگر ہم ہیرا تلاش نہ کر سکے تو کیا ہو گا ۔ کیوں نہ اس پہلو پر غور کر لیا جائے۔"

"غور تو ہم کیے لیتے ہیں ، کیونکہ غور کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ صرف غور کرنے سے معاملہ حل نہیں ہو گا۔" فاروق بولا۔

"ہوں ۔ فاروق بھی ٹھیک کہتا ہے ۔"

عین اسی وقت ایک ماتحت رپورٹ لے کر حاضر ہوا ۔ دونوں رپورٹوں

کا جائزہ لیا گیا اور پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ مورتی کی آنکھ میں پایا جانے والا خون امجد امیر ہی کا تھا۔

○

"لیجیے جناب — ایک بات تو ثابت ہو گئی — اب کیا کرنا ہے؟"

"کرنا کیا ہے — امجد امیر کو گرفتار کریں گے اور اس سے معلوم کیا جائے گا کہ ہیرا کہاں ہے — ہمارے پاس ابھی کافی وقت ہے — اس وقت تک ہم اپنے گُر استعمال کر ہی لیں گے — آؤ چلیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اِدھر اُدھر چند فون کیے اور ماتحتوں کو ساتھ لے کر پھر امجد امیر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے — جلد ہی محمود گھنٹی بجا رہا تھا — شیر خان نے دروازہ کھولا اور انھیں دیکھ کر بُرا سا منہ بنا کر بولا:

"تم لوگ پھر آ گئے؟"

"ہاں! ہم تمھارے صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ لے کر آئے ہیں۔"

"گرفتاری کے وارنٹ — یہ کس طرح ہو سکتا ہے — انھیں کون گرفتار کر سکتا ہے؟"

"ہم ہی کریں گے جناب۔" فاروق بولا۔

"نہیں ٹھہرو۔" اس نے پاؤں پٹخے اور اندر چلا گیا — جلد ہی امجد امیر بھناتا ہوا باہر نکلا:

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"آپ نے درست سنا ہے — ہیرا دیوی کی آنکھ کے گڑھے پر آپ کا ہی خون لگا ہوا پایا گیا ہے، لہٰذا ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں۔"

"اور کیا میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ہیرا غائب ہونے سے ایک آدھ روز پہلے میں شام کے وقت اچانک سو گیا تھا اور جب آنکھ کھلی تھی تو میری انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا — کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مجھے جان بوجھ کر سُلایا گیا تھا اور خون حاصل کیا گیا تھا، تاکہ مجھے پھانسا جا سکے۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی — ہمیں باوجود بہت غور کرنے کے ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آئی — لہٰذا آپ اپنی صفائی عدالت میں ہی پیش کیجیے گا۔"

"تو آپ مجھے ضرور گرفتار کریں گے۔"

"ہاں! مجبوری ہے۔"

"اچھا تو پھر گورنر صاحب کو فون کرنے کی اجازت دیجیے۔" اس نے کہا —

"وہ بھی آپ کو گرفتاری سے نہیں بچا سکیں گے۔"

"میں نے تو صرف فون کرنے کی اجازت مانگی ہے۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے — اجازت ہے۔"

فون کرنے کے بعد وہ اسے لے کر رخصت ہوئے۔ متعلقہ تھانے کی بجائے محکمہ سراغرسانی کی عمارت میں لائے :

" اکرام۔ انھیں کمرۂ امتحان میں لے چلو۔"

" کمرۂ امتحان۔ کیا مطلب۔ کیا میرا امتحان لیا جائے گا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

" جی ہاں ! یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

" کہے دیتا ہوں۔ اگر مجھ پر کوئی ظلم توڑا گیا تو آپ سب لوگ بُری طرح پچھتائیں گے۔"

" دیکھا جائے گا۔ ہم تو آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہیرا کہاں ہے۔"

" مجھے کیا معلوم۔ کہ ہیرا کہاں ہے ؟"

" آپ کی مرضی۔ لے چلو بھئی انھیں۔ یہ اس طرح نہیں بتائیں گے۔"

" مسٹر جمشید۔ تم آگ میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔"

" اچھا۔ یہ میرے لیے بالکل نئی اطلاع ہے۔"

اکرام کے ماتحت اسے کھینچ لے گئے۔ اسی وقت بابا فضل نے اندر آکر بتایا :

" گورنر صاحب تشریف لائے ہیں۔"

" ارے باپ رے۔" انھوں نے کہا، اچھل کر کھڑے ہوئے اور باہر

نکل آئے۔ باہر گورنر صاحب لال بھبوکا ہو رہے تھے :

" سر ! آپ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے بُلا لیا ہوتا۔"

" امجد امیر کہاں ہے ؟" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولے۔

" انھیں ابھی ابھی ایک دوسرے کمرے میں بھیجا گیا ہے۔"

" جمشید۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔"

" لیکن سر ! میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ تمام ثبوت ان کے خلاف ہیں۔"

" اچھا۔ خیر۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

" آپ وہاں جا کر کیا کریں گے ؟"

" دیکھو جمشید۔ تم اسے گرفتار کرنے کا حق رکھتے ہو، اس پر کوئی سختی کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ بس تم اسے عدالت میں پیش کر دو۔"

" عدالت ان سے ہیرے کا پتا معلوم نہیں کر سکے گی۔ بس جیل بھیج دے گی۔ ہیرا تلاش کرنے کی ذمے داری میری ہے اور یہ کام ایسا نہیں۔ جس کی طرف سے لاپروائی برتی جائے۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ دشمن ملک کی فوجیں ہماری سرحدوں پر کس طرح تیار کھڑی ہیں۔"

" تیار کھڑی ہیں تو کیا ہوا۔ ہم بھی کمزور نہیں ہیں۔" وہ بولے۔

" لیکن ایک شخص کے جرم کی سزا پوری قوم کو کیوں ملے۔ جنگ کے نتائج ہر حال پوری قوم کو بھگتنا پڑتے ہیں۔"

" اس نے جرم کیا ہو تب۔ اگر وہ ہو ہی بے گناہ۔ تو آپ

کیا کریں گے۔"

"اس صورت میں بھی مجھے ہیرا برآمد کرنا ہوگا۔ اور یہی یقین کرنے کے لیے انھیں دوسرے کمرے میں لے جایا گیا ہے۔ آپ مہربانی فرماکر یہیں تشریف رکھیں۔ ان پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی۔ چند نفسیاتی طریقے ضرور اختیار کیے جائیں گے، لیکن اگر آپ بھی ہمارے ساتھ اندر گئے تو ہمارے نفسیاتی طریقے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔"

"کیا تم مجھے یقین دلاتے ہو۔ اس پر سختی نہیں کی جائے گی۔"

"بالکل۔ میں سختی کا قائل نہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں، تم اپنا اطمینان کرلو، مجھے سو فیصد یقین ہے۔ ہیرا امجد نے نہیں چرایا۔"

"اس بات نے میرے ہوش اڑا رکھے ہیں۔ اگر ہیرا انھوں نے نہیں چرایا تو پھر کس نے چرایا۔ اور اگر ہم کل تک ہیرا برآمد نہ کرسکے تو کیا ہوگا۔"

"ہوگا کیا۔ جنگ ہوگی۔ ہم دشمن ملک کو دیکھ لیں گے۔ اور بس۔"

"آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگ کس قدر ہولناک چیز ہے، خاص طور پر یہ اس وقت اور بھی ہولناک لگتی ہے جب ہیرے جیسی بے کار چیز کے لیے لڑی جائے۔ میں تو اس

ہیرے کے بدلے میں ایک بھی انسانی جان کا نُقصان پسند نہیں کرتا۔ جب کہ جنگ چھڑنے کی صورت میں سیکڑوں نہیں، ہزاروں جانوں کا نقصان ہوگا۔ املاک تباہ ہوں گی اور نہ جانے کس کس قسم کا نقصان ہوگا۔"

"یہ سب باتیں میں جانتا ہوں، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جنگ روکنے کے لیے ایک بے گناہ کو پھانس لیا جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم نے انھیں بے گناہ سمجھ کر نہیں، گناہ گار سمجھ کر گرفتار کیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرۂ امتحان کی طرف بڑھ گئے۔ گورنر صاحب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر ہونٹ بھینچ لیے۔

کمرۂ امتحان میں امجد امیر کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ انسپکٹر جمشید نے نزدیک پہنچ کر نرم آواز میں کہا:

"ہیلو۔ کیا حال ہے؟"

"کیا گورنر صاحب اب تک نہیں آئے۔"

"آچکے ہیں، لیکن افسوس۔ وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔"

"یہ۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔"

"اس وقت آپ کی مدد خود آپ ہی کرسکتے ہیں۔ اور وہ مدد یہ ہے کہ آپ ہمیں صرف اتنا بتا دیں۔ ہیرا کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ نہ میں نے چرایا ہے، نہ مجھے معلوم ہے۔"

"ہوں۔ آپ کی مرضی۔ اب ہم اپنا کام شُروع کرتے ہیں۔ اکرام انھیں شکنجے میں کس دیا جائے، لیکن ان کے جسم کو کھینچنے سے پہلے ایک بار پھر ان سے یہ پوچھ لیا جائے کہ ہیرا کہاں ہے۔"

"میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔"

"خیر۔ معلوم ہو جاتا ہے۔"

کمرۂ امتحان کے جلاد نما ہٹے کٹے چھ آدمیوں نے مل کر امجد امیر کو پکڑ لیا اور لوہے کے بنے ایک شکنجے کی طرف لے چلے۔ امجد امیر تھر تھر کانپنے لگا۔

"مم۔ میں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔" اس نے کہنا چاہا۔

"قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو اپنا مذہب تک تبدیل کرنے پر تیار نظر آتے ہیں۔ آپ کی لائبریری میں ہندو مذہب پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ اس لیے آپ قسم کس طرح کھا سکتے ہیں۔"

"اب۔ اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" اس نے پوری قوت سے چلّا کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔ آپ حلق کیوں پھاڑ رہے ہیں، لیکن آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔ اس میں سے آواز باہر نہیں جا سکتی۔ اور نہ باہر کی آواز اندر آ سکتی ہے۔"

اچانک وہ تڑپا اور پھر گردن ڈھلک گئی۔

"سر! یہ تو بے ہوش ہو گئے۔" چھ میں سے ایک نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ یہ جان بوجھ کر بے ہوش بن رہے ہوں۔ ڈاکٹر کو فون کیا جائے۔" انھوں نے حکم دیا۔ اکرام نے فوراً سرکاری ڈاکٹر کو فون کیا۔ ڈاکٹر نے آنے میں دیر نہ لگائی۔

"ڈاکٹر صاحب۔ ذرا اسے دیکھیے۔ یہ بن تو نہیں رہے۔"

انھوں نے ان کا معائنہ کیا اور پھر بولے:

"یہ صاحب تو واقعی بے ہوش ہو گئے ہیں اور بے ہوشی کی وجہ خوف کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

"اوہ۔ یہ بُرا ہوا۔ آپ انھیں کب تک ہوش میں لا سکتے ہیں؟" انھوں نے کہا۔

"ایک آدھ گھنٹا تو لگ ہی سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کوشش کریں۔ ہم دفتر چلتے ہیں۔"

وُہ دفتر آئے تو گورنر صاحب جا چکے تھے۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسیور اُٹھایا تو صدرِ مملکت کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

موت کے فرشتے

"ہیلو جمشید گورنر صاحب میرے پاس موجود ہیں۔ امجد امیر کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"میں انھیں بتا ہی چکا ہوں سر۔ خون کی رپورٹ نے ہمیں ان کی گرفتاری پر مجبور کیا ہے۔ آپ ہی نے فرمایا تھا اور ہم کیا کر سکتے تھے۔ سر پر جنگ مسلط نہ ہو جائے۔ تب بھی قانون کا تقاضا یہی تھا کہ انھیں گرفتار کیا جائے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ انھیں گرفتاری پر اعتراض نہیں۔ یہ چاہتے ہیں۔ ان پر سختی نہ کی جائے۔"

"میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں کہ سختی کیے بغیر ہی ہیرے کا پتا چلاؤں گا۔"

"شکریہ جمشید۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رہے۔ کل شام سے پہلے پہلے تمھیں ہیرے کا پتا چلانا ہے۔"

"یس سر۔ مجھے احساس ہے۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تو وہ بھی ان کی طرف مڑے:

"گورنر صاحب صدرِ مملکت کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ ادھر امجد امیر کی بے ہوشی نے کام خراب کر دیا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟"

"ہم اس کیس کے ایک ضروری مہرے کو نظر انداز کر رہے ہیں، اس معاملے میں زیادہ ہاتھ رائے راج کا جان پڑتا ہے۔ آخر وہ امجد امیر کو مندر کیوں لے جاتا تھا۔ وہ اپنے مذہب کی کتابیں کیوں امجد امیر تک پہنچاتا تھا۔ ایک طرح سے اس کا یہ کام خلافِ قانون ہے۔ مسلم ملک میں رہ کر وہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔" محمود پُر جوش انداز میں کہتا چلا گیا۔

"تو کیا تم چاہتے ہو۔ میں اسے بھی گرفتار کر لوں۔"

"جی ہاں۔ ہمیں ایسا کرنا ہی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر آؤ اسے گرفتار کر لائیں۔" انھوں نے کہا۔

رائے راج کے گھر کا انھیں پتا معلوم نہیں تھا۔ امجد امیر سے معلوم نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ بے ہوش تھا، لہٰذا انھوں نے مندر کی راہ لی۔ مندر کے باہر اب کوئی ہجوم نہیں تھا۔ سب لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ شاید پجاری جی نے انھیں مطمئن کر دیا تھا کہ ہیرا جلد ہی تلاش کر لیا جائے گا۔ مندر کے دروازے پر ایک پجاری بیٹھا اونگھ رہا تھا، ان کے قدموں کی آواز سن کر ہڑبڑا کر اُٹھا۔

"کیا آپ ہمیں رائے راج کا پتا بتا سکتے ہیں ؟"

"ادھر آنے کی بجائے آپ کو ہندو آبادی میں جانا چاہیے
تھا ۔ یہاں کے پجاری یہیں رہتے ہیں ، ہندو آبادی میں نہیں
جاتے ۔ اس لیے وہاں رہنے والے ہی دوسروں کے پتے
بتا سکتے ہیں۔" اس نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا ۔ آواز تھی بھی
بہت بلند ۔۔

"کیا بات ہے ۔ مرلی رام ۔ کس سے جھگڑ رہے ہو ؟" اندر
سے پجاری جی کی آواز سنائی دی ۔

"کسی سے بھی نہیں پجاری جی ۔ وہی والے لوگ ہیں ۔ کسی
رائے راج کا پتا معلوم کرنے ادھر آ نکلے ہیں۔" اس نے اور بھی
بلند آواز میں کہا ۔

"وہی والے لوگ ۔" پجاری جی کے لہجے میں حیرت تھی ۔۔۔
فوراً ہی وہ باہر آتے دکھائی دیے ۔ اس وقت انھوں نے غور
سے دیکھا ۔ وہ کافی بوڑھے اور کمزور تھے ۔ عصا کا سہارا لیتے وہ
آخر ان تک پہنچ گئے :

"اوہو ۔ آپ لوگ ہیں ۔ رائے راج کون ہے اور آپ کو اس
سے کیا کام آ پڑا ہے ؟"

"رائے راج امجد امیر کا دوست ہے ۔ وہی امجد امیر جس پر
ہیرا چرانے کا شبہ کیا جا رہا ہے ۔"

"اوہو اچھا ۔ تو اس کا کوئی ہندو دوست بھی ہے ۔"

"جی ہاں ۔ بالکل ہے ۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے ۔

"یہ کون صاحب ہیں ؟" پجاری جی نے محمود سے پوچھا ۔

"ارے آپ انھیں نہیں جانتے ۔ یہ ہمارے والد صاحب ہیں ۔
انسپکٹر جمشید ۔"

"اوہ ۔ اچھا ۔" ان کے منہ سے نکلا ۔

"ابا جان ۔ یہی وہ پجاری جی ہیں ۔ جنھوں نے ہمیں تفتیش کی
اجازت دی تھی ۔"

"اگر اجازت ہو تو ایک نظر میں بھی ہیرا دیوی کو دیکھ لوں ۔
اور آنکھ کی جگہ کا معائنہ کر لوں ۔"

"ضرور ضرور ۔ شوق سے ۔" پجاری جی نے خوش ہو کر کہا ۔

وہ اندر داخل ہوئے ۔ جوتے پہلے ہی اتار لیے تھے ۔۔۔
نزدیک پہنچ کر ہیرا دیوی کا جائزہ لیا ، پھر بولے :

"پجاری جی ۔ ہم ہیرا تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے
ہیں ، اس سلسلے میں گورنر صاحب کے سالے کو بھی گرفتار کیا جا چکا
ہے ۔ آپ صبح کے اخبارات میں تفصیل پڑھ ہی لیں گے ۔ ہم
ان شاء اللہ ایک آدھ دن تک ضرور ہیرا آپ کو تلاش کر دیں
گے ۔ مہربانی فرما کر اپنی قوم کے سربراہ سے فون پر بات کیجیے ۔
آخر وہ کس بات پر جنگ کرنے چلے ہیں ۔ کیا یہ جنگ کے قابل

کوئی واقعہ ہے۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

" شاید آپ ہیرا دیوی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ۔ اور نہ اس کی متبرک آنکھ کے بارے میں آپ کو کچھ علم ہے ۔ ہیرا دیوی کا اندھا ہونا پوری ہندو قوم کے اندھا ہو جانے کے برابر ہے ۔ اگر ہم نے دیوی کی آنکھ واپس نہ کی تو پوری ہندو قوم پر بھگوان کا عذاب نازل ہو گا ۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم کے سربراہ آپ کو جنگ کی دھمکی دینے میں حق بجانب ہیں ۔ اور اس سلسلے میں قطعاً کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی ۔ اس کا تو بس ایک ہی حل ہے ۔ اور وہ یہ کہ ہیرا تلاش کر دیا جائے۔"

" اچھی بات ہے ۔ اب میں ہیرا تلاش کر کے چھوڑوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے تلملاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" اس میں دونوں ملکوں کی بہتری ہے۔" پجاری بولا۔

وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور ہندو آبادی کے سرے پر پہنچ گئے ۔ یہاں بھی دو تین چھوٹے بڑے مندر بنے ہوئے تھے ۔ انھوں نے ایک ہندو کو روک کر پوچھا :

" کیوں جناب رائے راج کہاں رہتے ہیں ؟"

" مجھے نہیں معلوم ۔ نہ جانے یہاں کتنے رائے راج رہتے ہیں اور آپ کون سے رائے راج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

" بات تو اس کی بھی ٹھیک ہے ۔ ہمیں یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا رائے راج۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" امجد امیر والا رائے راج۔" فاروق بول پڑا اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اتنے میں ایک اور ہندو پاس سے گزرا ۔

" سنیے جناب ۔ ہمیں رائے راج صاحب سے ملنا ہے ۔ کیا آپ ان کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔"

" رائے راج ۔" وہ رک گیا اور سوچ میں گم ہو گیا :

" ان کا حلیہ بتا سکتے ہیں آپ ؟"

" جی ہاں ۔ درمیانے قد کے آدمی ہیں ۔ رنگ سانولا ہے ۔ اور بالکل جوان لگتے ہیں۔"

" بس میں سمجھ گیا ۔ آپ کس رائے راج کو پوچھ رہے ہیں ۔ سیدھے چلے جائیے ۔ آگے جا کر گلی بائیں طرف مڑ جائے گی ۔ آپ بھی مڑ جائیے ۔ اب گلی بند نظر آئے گی ۔ بس آخری مکان رائے راج صاحب کا ہے۔"

" بہت بہت شکریہ ۔" انھوں نے کہا اور آگے بڑھے ، پہلے سیدھے چلے ، پھر بائیں مڑے ۔ آگے گلی بند نظر آئی ۔ آخری دروازے پر دستک دی تو اس حلیے کے ایک صاحب باہر نکلے ۔ جو حلیہ انسپکٹر جمشید نے بتایا تھا ، لیکن یہ صاحب رائے راج نہیں تھے ۔

"فرمائیے — کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں مسٹر رائے راج سے ملنا ہے۔"

"تو ملیے نا — میں ہی رائے راج ہوں۔"

"اوہو، تب تو ہم غلط آ گئے۔" فاروق بولا۔

"جی کیا مطلب — غلط کس طرح آ گئے — آپ کو رائے راج سے ملنا ہے اور میں رائے راج ہی ہوں، پھر آپ غلط کس طرح آ گئے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"دراصل ہمیں ایک اور صاحب سے ملنا ہے، ان کا نام بھی رائے راج ہے، لیکن وہ رائے راج آپ نہیں ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اب میں سمجھا — آپ کس رائے راج کی بات کر رہے ہیں — اس کی شکل صورت مجھ سے ملتی جلتی ہے — آئیے میرے ساتھ، میں آپ کو لے چلتا ہوں۔"

"شکریہ — یہ ہوئی نا بات۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

اس بار وہ ایک عالی شان مکان کے سامنے پہنچے — ان کے ساتھ آنے والے رائے راج نے خود ہی دستک دی — جلد ہی اس رائے راج نے دروازہ کھولا جس کی انھیں تلاش تھی:

"اوہو — آپ لوگ ہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"یہ آپ کو تلاش کرتے میرے گھر آ گئے تھے — دوسرے

رائے راج نے بتایا۔

"اوہ — تب تو آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں — یہ تو میرا فرض تھا۔"

"آئیے — اندر تشریف لے آئیے۔"

وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے — رائے راج انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا:

"آپ ان حالات میں ہندو آبادی میں کس طرح آ گئے — آپ کو خوف محسوس نہیں ہوا۔" رائے راج کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ بھی تو تھوڑی دیر پہلے امجد امیر کے پاس موجود تھے، وہاں جاتے ہوئے آپ کو خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔" محمود مسکرایا۔

"ہوں — بات تو ٹھیک ہے، پھر بھی مجھے حیرت ہے۔"

"ہم آپ سے چند سوالات پوچھنے آئے ہیں — اگر آپ کو اعتراض نہ ہو۔"

"بھلا مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔"

"تو پھر پہلا سوال — کیا آپ واقعی امجد امیر کے بچپن کے دوست ہیں؟"

"جی ہاں — ہم سکول میں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔"

"آپ نے ہندو مذہب کی کتب انھیں کیوں دیں؟"

"انھیں ہندو مذہب سے بہت دلچسپی ہے — انھوں نے خود

ہی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ بات خلافِ قانون ہے۔"

"اگر کوئی خود خواہش ظاہر کرے، کیا اس صورت میں بھی یہ بات خلافِ قانون ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہاں، کیونکہ غیر مسلموں کو اس ملک میں اس شرط پر رہنے کی اجازت ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکیں گے، ہاں اپنی مرضی سے کوئی ہندو ہو جائے تو اور بات ہے۔ آپ لوگوں کی کوشش نظر نہیں آنی چاہیے۔"

"تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اب معافی چاہنے کا کیا فائدہ۔ اب تو آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن کہاں؟" وہ تلملا کر بولا۔

"تھانے۔"

"میں نہیں جاتا۔ مجھے کیا ضرورت ہے تھانے جانے کی۔ پہلے میرے خلاف جرم ثابت کیا جائے، پھر وارنٹ حاصل کیے جائیں اور اس کے بعد لے جایا جائے۔"

"عقل کے اندھے۔ یہ رہے تمھارے وارنٹ۔" یہ کہہ کر انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ کہ انھوں نے وارنٹ کس وقت حاصل کر لیے۔ ان کا

ہاتھ باہر نکلا تو بات سمجھ میں آئی۔ انھوں نے تو جیب سے پستول نکالا تھا۔

"گگ۔ کیا مطلب؟" وہ ہکلایا۔

"اگر سیدھی طرح نہیں جاؤ گے تو اس کے بل پر جانا پڑے گا۔ اس ملک میں مجھے کسی وارنٹ کی ضرورت نہیں۔ میرے اختیارات خاص نوعیت کے ہیں۔ سمجھے۔"

رائے راج کا رنگ اڑ گیا۔ عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

○

دستک کی آواز سن کر رائے راج نے اپنی جگہ سے حرکت کی ہی تھی کہ انسپکٹر جمشید بولے:

"نہیں مسٹر رائے راج۔ اب تم دروازہ نہیں کھول سکو گے، یہ کام ہم خود ہی کر لیں گے۔ محمود۔ دیکھو۔ دروازے پر کون ہے۔ دروازہ کھولنے سے پہلے معلوم کر لینا۔"

"بہت بہتر ابا جان۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"دروازے پر کون ہے؟" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"موت کے فرشتے۔" باہر سے جواب ملا۔

"موت کے فرشتے۔ کیا مطلب۔ موت کے فرشتے کہاں سے آ گئے یہاں۔"

"دروازہ کھول دو، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

"اچھا۔ ذرا ٹھہرو۔" یہ کہہ کر محمود ان کی طرف مڑا:

"باہر تو موت کے فرشتے موجود ہیں ابا جان۔ اب کیا حکم ہے؟"

"جلدی سے اوپر چڑھ کر نیچے کا جائزہ لو۔" وہ بولے۔

محمود اور فاروق تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر پہنچے۔ اور پھر انھوں نے نیچے آنے میں دیر نہ لگائی:

"ابا جان۔ مکان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ ہزاروں ہندو ہاتھوں میں لاٹھیاں اور بھالے لیے کھڑے ہیں۔" اس کی آواز میں کپکپی تھی۔

"کیوں رائے راج۔ یہ کیا معاملہ ہے؟"

"م۔ میں نہیں جانتا۔ شاید ان لوگوں نے آپ کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا۔ انھوں نے موقع غنیمت جانا اور مکان کو گھیر لیا۔ آپ لوگوں کی وجہ سے میرا گھر تباہ ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ چونک کر بولی۔

"آپ لوگوں کی تکا بوٹی کرنے کے لیے وہ دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہو جائیں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید جل کر بولے۔

"م۔ میں کیا کہوں۔"

"سنو۔ ہم زندہ بچیں یا مارے جائیں۔ تمھیں تو ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ٹھہرو۔ میں ان لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"خبردار۔ ایک قدم آگے نہ بڑھانا۔" انسپکٹر جمشید گرجے۔

"کیا مطلب۔ میں تو آپ کو مصیبت سے نجات دلانے چلا ہوں۔"

"بکومت۔ تم دروازہ کھولنے چلے تھے، تاکہ آبادی کے لوگ اندر داخل ہو جائیں اور ہمیں پکڑ لیں۔"

"اگر تمھیں یہ خوف ہے تو میں اوپر جا کر ان لوگوں سے بات کر لیتا ہوں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ محمود۔ تم اس کے ساتھ جاؤ۔ اپنا چاقو نکال کر ہاتھ میں پکڑ لو، اگر یہ کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کرے تو بے دریغ چاقو کام میں لے آنا۔"

"جی بہتر۔ چلو میاں اوپر۔" محمود بولا۔

رائے راج تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا، محمود اس وقت تک ایڑی میں سے چاقو نکال چکا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے چلا۔
چھت بہت کشادہ تھی۔ اس کے گرد تین فٹ اونچی منڈیر تھی۔
منڈیر پر جھکتے ہوئے رائے راج نے بلند آواز میں کہا:

" کیا بات ہے۔ تم لوگوں نے میرے گھر کو کیوں گھیر لیا ہے؟"

" اِن مُسلمانوں کو باہر نکال دو۔ ہمیں ان سے غرض ہے، تم سے نہیں۔" باہر سے کہا گیا۔

" لیکن کیوں۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

" کیا تم نہیں جانتے۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ ہندوؤں پر کس قدر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اب ہم ان کے خون سے اپنے انتقام کی آگ بُجھائیں گے۔"

" وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن تم لوگ میرا تو کچھ خیال کرو۔ آخر میں تمھارا ہندو بھائی ہُوں۔"

" تمھارا خیال نہیں کریں گے تو کس کا کریں گے۔ بس تم ان لوگوں کو باہر نکال دو۔"

" کس طرح نکال دوں۔ یہ لوگ عام لوگ نہیں ہیں۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہیں۔ اور انھوں نے مجھ پر پستول تان رکھا ہے۔ گویا پہلے میں مروں گا، پھر ان کی باری آئے گی۔ کیا تم ان سے انتقام لینے کے لیے اپنے ایک بھائی کو بھی قربان کر ڈالو گے۔"

مجمعے پر خاموشی طاری ہو گئی۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ قابو میں آئے ہوئے مسلمانوں کے پاس پستول بھی ہو سکتا ہے۔ آخر چند منٹ کی خاموشی کے بعد آواز اُبھری:

" کیا ان کے پاس صرف ایک پستول ہے؟"

" پستول کے علاوہ ایک چاقو بھی ہے۔"

" اچھا تو پھر یہ لو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی فائر کی آواز گونجی، ایک بھیانک چیخ کی آواز نے محمود کو لرزا دیا۔ چیخ رائے راج کے سوا کسی کی نہیں تھی۔ ساتھ ہی باہر کسی نے بلند آواز میں نعرہ لگایا:

" ان موسلوں نے ہمارے بھائی رائے راج کو گولی مار دی ہے۔ دروازہ توڑ دو۔ اور ان کی تکا بوٹی کر دو۔"

محمود نے رائے راج کا دھڑ منڈیر پر پڑے دیکھا اور نیچے کی طرف دوڑ لگا دی ——

وُہ نکلے جا رہے ہیں

نیچے انسپکٹر جمشید ، فاروق اور فرزانہ ساکت کھڑے تھے ۔

" انھوں نے خود ہی رائے راج کو گولی مار دی ہے اور اس کے قتل کا الزام ہم پر لگا رہے ہیں ۔ مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے ۔ اب وُہ دروازہ توڑیں گے ۔"

" ہوں ۔ ہم بہت بُرے پھنس گئے ۔ حیرت ہے ۔ رائے راج کے گھر میں کوئی اور نظر نہیں آیا ۔ کیا یہ بالکل اکیلا رہتا تھا " وُہ بولے ۔ اسی وقت دروازے پر چوٹ ماری گئی ۔

دروازہ مضبوط ضرور تھا ، لیکن زیادہ دیر بھی نہیں ٹک سکتا تھا ۔ انسپکٹر جمشید چند لمحے تک سوچ میں گم کھڑے رہے ، آخر بولے :

" آؤ میرے ساتھ ۔" یہ کہہ کر زینے کی طرف لپکے ۔ چاروں چھت پر پہنچے اور جُھکے جُھکے انداز میں ساتھ والے مکان کی طرف دیکھا ۔ اس کی چھت بہت نیچی تھی اور انھیں چھلانگیں لگانا پڑتیں ۔۔۔

چھلانگیں لگانے سے آواز پیدا ہوتی ۔ لیکن اس کے سوا وُہ اور کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے ۔ سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے چھلانگ لگائی اور پھر ان تینوں نے باری باری ۔۔۔

" ارے ۔ شاید وُہ ہماری چھت پر آ گئے ہیں ۔ جلدی سے دروازہ کھول کر بتا دو ۔" کسی نے چیخ کر کہا ۔

انسپکٹر جمشید بجلی کی طرح سیڑھیاں اُترتے چلے گئے اور دروازے کی طرف بڑھنے والے کی کمر پر ایک لات رسید کی ۔ وُہ اوندھے منہ گرا ۔۔۔

" آؤ ۔ جلدی کرو ۔" یہ کہہ کر وُہ دروازے کی طرف بڑھے ۔

" یہ آپ کیا کر رہے ہیں ۔"

" اس گھر کے دروازے سے نکلنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے ۔" وُہ بولے ۔

" لیکن گھر میں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں ۔ وُہ شور مچا دیں گے ۔"

" اوہ ہاں ۔ یہ بھی ٹھیک ہے ۔" انھوں نے کہا اور مڑے ۔۔۔ صحن میں دو مرد کھڑے تھر تھر کانپتے نظر آئے ۔۔۔

" اندر والے کمرے میں چلو ۔" انھوں نے گرج کر کہا ۔

" اس کمرے میں عورتیں ہیں ۔۔۔ " ایک ہندو بولا ۔

" ٹھیک ہے ۔۔۔ تم بھی اس کمرے میں داخل ہو جاؤ ۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے دروازہ باہر سے بند کر کے اس کا جائزہ لیا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل نہیں سکتے تھے۔ اور اس جگہ سے اگر وہ شور بھی مچاتے تو کسی کو کچھ پتا نہ چل سکتا تھا، کیونکہ باہر تو پہلے ہی قیامت کا شور مچا تھا۔ ہر کوئی چیخ رہا تھا۔ اور شاید ہر کوئی رائے راج کے مکان کے دروازے کی طرف متوجہ تھا۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔ باہر بے شمار لوگ جمع تھے، لیکن کسی نے کھلنے والے اس دروازے کی طرف نہ دیکھا۔ وہ نہایت اطمینان سے قدم اٹھانے لگے۔ بھاگنے کا مطلب تو ان لوگوں کو خبردار کر دینا تھا۔ ایسے میں مجمعے میں سے کسی نے کہا:

"ارے۔ اس مکان کا دروازہ کھلا ہے اور اندر سے شور کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

"آؤ۔ کہیں وہ اس میں نہ گھس گئے ہوں۔ ان کی بوٹیاں اڑا دو۔"

اب ان کے لیے آہستہ چلنا ممکن نہیں رہا تھا، لیکن دوڑ پڑنا بھی موت کو دعوت دینا تھا، اس لیے وہ تیز تیز قدم اٹھانے

لگے اور مناسب یہ نظر آیا کہ گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے دور نکل جائیں۔ سڑکوں پر تو ہندو ہی ہندو جمع تھے۔۔۔ ایک گلی کا موڑ مڑے ہی تھے کہ سامنے سے ایک ہندو آتا نظر آیا، اس کے ہاتھ میں چمک دار پھل والا بھالا تھا۔ وہ ان کے پاس سے گزرتا چلا گیا، پھر نہ جانے کس خیال کی وجہ سے اچانک مڑا اور ان کی طرف دوڑ پڑا، ساتھ ہی چلا کر بولا:

"اے۔ ٹھہرو۔ تم۔ تم تو وہی لگتے ہو۔"

اب انھیں مڑنا پڑا۔ نہ مڑتے تو کسی ایک کی کمر میں بھالا لگ سکتا تھا:

"کون وہ۔" انسپکٹر جمشید بھنا کر بولے۔

"میں سمجھ گیا۔ تم بچ کر نہیں جا سکتے۔" یہ کہتے ہی دونوں ہاتھوں میں بھالا تولتے ہوئے وہ تیر کی طرح ان پر جھپٹا۔ حملہ اس قدر وحشیانہ تھا کہ ایک لمحے کے لیے تو وہ بوکھلا ہی گئے، لیکن پھر فوراً سنبھلے اور کمان کی طرح جھک گئے۔ بھالے کی نوک ان کے پیٹ سے صرف ایک انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ ساتھ ہی ان کا ہاتھ بھالے کے درمیان میں لگا اور اس پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے انھوں نے آگے کی طرف دھکا دے دیا۔ ہندو بھالے سمیت اوندھے منہ گرا، محمود نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور بھالا اٹھاتے ہوئے دور ہٹ گیا۔ اتنے میں انسپکٹر جمشید اس کی

پسلیوں میں ایک ٹھوکر رسید کر چکے تھے ۔ وہ یک دم ساکت ہو گیا۔

"آؤ۔ جلدی کرو۔"

چاروں پھر آگے کی طرف لپکے ۔ اچانک انھوں نے اپنے پیچھے شور کی آواز سُنی ۔

"اب بھاگے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔ وہ ہندو شاید ہوش میں آگیا ہے اور ہوش میں آتے ہی اس نے شور مچانا شروع کر دیا ہے ۔"

"لیکن بھاگنے کی صورت میں ہندو ہر طرف سے ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"اور نہ بھاگے تو بھی ہندو ہم تک آ پہنچیں گے ۔ تو پھر کیوں نہ بھاگ ہی لیا جائے۔" محمود نے کہا۔

"باتیں کرتے رہے تو ضرور بھاگ سکیں گے۔" فاروق نے مُنہ بنایا ۔

اور پھر چاروں نے دوڑ لگا دی ۔ ایسے میں کوئی چلّایا:

"ارے ۔ وُہ رہے ۔ وُہ گئے۔"

ایک منٹ بعد ہی انھوں نے محسوس کیا ۔ ان کے پیچھے آنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے ۔ اِدھر اُدھر سے بھی آ آ کر لوگ ان میں شامل ہوتے جا رہے تھے ۔ شور بھی بہت بڑھ گیا تھا ۔ ایسے میں جونہی انھوں نے ایک موڑ مڑا ۔ سامنے سے بیس پچیس کے قریب ہندو بھالے لہراتے آتے دکھائی دیے ۔ انھیں یک دم رُکنا پڑا ۔ بلا کی تیزی سے مُڑ کر دیکھا تو پیچھے بھی دشمن تھے ۔ دائیں اور بائیں فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"ٹکڑے اُڑا دو ان کے ۔ اب یہ بچ کر کہاں جائیں گے۔" کوئی چلّایا ۔ دونوں گروہ آگے بڑھے ۔

○

"اب ۔ اب کیا ہو گا ابّا جان۔"

"اللہ بہتر کریں گے ۔ ایسے مواقع ہم پر آتے ہی رہتے ہیں، ہم کوئی پہلی مرتبہ موت کے مُنہ میں نہیں پہنچے ۔ اس لیے ہمت ہارنے کی کیا ضرورت ہے ۔ تم میرے پیروں کے پاس بیٹھ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔

"جی ۔ کیا فرمایا ۔ بیٹھ جائیں۔" محمود حیران رہ گیا۔

"ہاں ۔ بھالا مجھے دے دو ۔ اگر تم لوگوں کے پاس بھی بھالے ہوتے تو میں تمھیں بیٹھ جانے کا حُکم ہرگز نہ دیتا ۔ جونہی تم میں سے کسی کے ہاتھ کوئی بھالا لگے ۔ اسے اٹھا کر میری کمر کی طرف آ جائے ۔ ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ میرے پیروں کے پاس بیٹھے رہو ۔ اور جس طرف میں حرکت کروں ۔ اس طرف تم حرکت

کرو۔"

"بہت بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کے لیے مشکلات نہیں کھڑی کریں گے۔" محمود نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا۔

اب انھوں نے بھالا پکڑ لیا، دونوں گروہ دوڑتے ہوئے ہر لمحے ان سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کے دونوں ہاتھ حرکت کرنے لگے۔ بھالا بجلی کی سی تیزی سے گردش کرنے لگا۔ گردش میں اس قدر تیزی تھی کہ وہ نظر آنا بند ہو گیا۔ وہ ان کے صرف سامنے ہی نہیں، دائیں، بائیں اور پیچھے بھی گردش کر رہا تھا۔ دونوں طرف سے بڑھنے والے ہندو یہ دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے حملے کا جواب اس طرح بھی دیا جا سکتا ہے۔ چند سیکنڈ تک سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد وہ اندھا دھند آگے بڑھے اور بھالے سیدھے کر لیے، لیکن جونہی وہ ان کے بھالے کی زد میں آئے۔ بھالوں کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں گونجیں اور ان میں سے کئی اُلٹ کر گرے۔ گرنے والے اپنے پیچھے آنے والوں سے ٹکرائے۔ کئی ایک کے جسموں میں بھالوں کی نوکیں چبھ گئیں۔ فضا چیخوں سے تھرا اُٹھی۔

"ابا جان۔ ہم ایک ایک بھالا اُٹھا سکتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں آپ کے پیروں سے قدرے دُور ہٹنا پڑے گا۔"

"ایسا ہرگز نہ کرنا۔ مجھے بتاؤ۔ بھالے میرے کس طرف ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"پیچھے کی طرف۔" فرزانہ نے فوراً بتایا۔

"تو میں پیچھے کی طرف ہٹتا ہوں۔ جونہی تمھارا ہاتھ بھالوں تک پہنچے۔ اُٹھا لینا، لیکن لڑائی میں حصہ ہرگز نہ لینا۔ اب صورتحال ایسی ہے کہ میں آسانی سے چاروں طرف بھالا گھما رہا ہوں، لیکن پھر میں اس انداز سے نہیں گھما سکوں گا۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

انھوں نے غیر محسوس طور پر پیچھے ہٹنا شروع کیا، یہاں تک کہ محمود کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"بس ابا جان۔ اب ہمارے پاس بھی ایک ایک بھالا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں آگے بڑھوں گا۔ اور ان کا گھیرا توڑنے کی کوشش کروں گا۔ جونہی نکلنے کا کوئی راستہ نظر آئے، بس نکل جانا۔ میری وجہ سے رُکے ہرگز نہ رہنا۔ اور باہر نکلتے ہی کسی پبلک فون بوتھ سے فون کرنے کی کوشش کرنا۔"

"جی بہتر۔ ہم یہی کریں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے اور بھی پھرتی سے ہاتھ چلانا شروع کیے۔ اور ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ ہندو ان کی سی تیزی دکھانے سے معذور تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے۔

تھے۔اگر ان کی تعداد زیادہ نہ ہوتی تو شاید وُہ اس وقت تک بھاگ کھڑے ہوتے۔

اچانک انھیں کچھ فاصلے پر سڑک نظر آنے لگی۔وہ جوش میں بھر گئے۔ایک بار جو تابڑ توڑ حملہ کیا تو ہندو کائی کی طرح چھٹ گئے۔محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔درمیان میں پیدا ہونے والے خلا میں سے تیر کی طرح نکلا چلا گیا۔اتنے میں خلا پھر پُر ہو چکا تھا۔فاروق اور فرزانہ پَر تولتے ہی رہ گئے۔ادھر انسپکٹر جمشید پر گویا جنون سوار ہو چکا تھا۔انھوں نے اس قدر بھر پور حملہ کیا کہ آگے والوں کے قدم ایک بار تو اکھڑ ہی گئے، بس پھر کیا تھا، فارُوق اور فرزانہ نے لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں اور سڑک پر آ گئے، لیکن اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید بھی نکل سکتے۔اِدھر اُدھر سے آنے والے حملہ آوروں کی وجہ سے راستہ پھر بند ہو گیا؛ تاہم انھیں اطمینان تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ گھیرے سے نکل گئے ہیں اور جلد ہی مدد لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اب وُہ نسبتاً کھلی جگہ پہنچ گئے۔نتیجہ یہ کہ پہلے دشمن صرف دو طرف تھے، اب چاروں طرف سے انھیں گھیرے میں لے لیا گیا، چاروں طرف سے بھالے ان پر برسنے لگے۔اس وقت تک کئی بھالے ان کے جسم کو چھوتے ہوئے گزر چکے تھے۔اور ایک بھالے کی نوک تو اچھا بھلا زخم لگا گئی تھی، لیکن وُہ بھی کوئی عام آدمی

تو تھے نہیں کہ ان زخموں کی پروا کرتے۔اسی دم خم سے ڈٹے ہوئے تھے۔ایسے میں کسی نے چیخ کر کہا:

"ارے۔اس کے تینوں بچّے نکلے جا رہے ہیں۔چند آدمی ان کے پیچھے بھی تو بھاگو۔اگر وُہ نکل گئے تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔"

انسپکٹر جمشید فکر مند ہو گئے۔محمود، فاروق اور فرزانہ کے خلاف انھوں نے فوراً ہی نوٹس لے لیا تھا—

حملے کا حکم

محمود کافی دُور نِکل گیا تھا، فاروق نے پیچھے سے اسے آواز دی:

"ٹھہرو محمود - ہم بھی آ رہے ہیں۔"

"تو میں کیوں ٹھہروں - آتے رہو تم - میرے پاس اس وقت ٹھہرنے کا وقت کہاں۔" محمود بھنّا کر بولا۔

"اچھا خیر - نہ ٹھہرو - ہم خود ہی تم تک پہنچ جائیں گے۔"

"تمہارے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔" محمود چلّایا۔

"کیا کہا - فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے - فرشتوں کی بات جانے دو، انھیں ایسے کام کرنے کی ضرورت نہیں - تو ہم پہنچ کر دکھاتے ہیں۔" فرزانہ نے تلملائی ہوئی آواز میں کہا اور دونوں نے رفتار بڑھا دی -

یہ محسوس کرتے ہوئے بھی محمود اپنی رفتار نہ بڑھا سکا، کیونکہ وُہ تو پہلے ہی پورا زور لگائے ہوئے تھا - ایسے میں انھوں نے ایک جیپ کی آواز اپنے پیچھے سُنی -

"ہائیں - تو کیا وُہ جیپ میں ہمارا تعاقب کریں گے۔"

"تو اور کیا کریں - دوڑ کر تو ہم تک پہنچ نہیں سکیں گے۔"

"تب تو خطرہ سر پر آ پہنچا - کیونکہ ابھی ہم جیپ کی رفتار سے دوڑنے کے قابل نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! ایک آدمی تھا اس قابل، اسے ہم نے دوسری دُنیا کے سفر پر روانہ کر دیا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں - بے چارہ رے راٹا - ابھی تو شاید وہ درمیان میں ہی اٹکا ہوا ہو گا۔"

"مشرک پار لگ بھی کس طرح سکتے ہیں۔"

جیپ کی آواز عین سر پر آ گئی، پھر وہ ان سے آگے نکل کر رُک گئی - اس میں سے تقریباً چھے ہندو نکلے اور بھالے لیے ان کے راستے میں آ گئے -

"ہم تمھیں شہر کی طرف نہیں جانے دیں گے۔" ان میں سے ایک نے غرّا کر کہا۔

"تو پھر - ہم کس طرف جائیں۔"

"کہیں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے - تمھارا والد اب تک بھالوں سے چھلنی ہو چکا ہو گا - کیونکہ ایک بھالا اس کے گھٹنے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں - اب تم بھی بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"نہیں - نہیں - یہ جھوٹ ہے۔" محمود نے حلق پھاڑا۔

"خیر۔ اگر تم زندہ ہمارے ہاتھ لگ گئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور اگر یہیں ختم کر دیے گئے تو دُوسری دُنیا میں جا کر پوچھ لینا اس سے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ تینوں نے پہلے ہی بھالے تان لیے تھے۔ بھالوں کی لڑائی کے وُہ ذرا بھی ماہر نہیں تھے؛ تاہم پھرتی سے اِدھر اُدھر تو ہو ہی سکتے تھے۔

"محمود۔ ترکیب نمبر اکیس۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔ بھالا گھماتے ہوئے اپنی جگہ سے ایک چھلانگ لگائی اور اس طرف کنی کاٹ گیا۔ جس طرف سے وُہ آ رہے تھے۔ حملہ آور ہندوؤں کو بھلا ان کے اس طرف جانے کی کوشش کرنے کی کہاں اُمید تھی۔ لہٰذا اس طرف انھوں نے کوئی رکاوٹ پیدا کر ہی نہیں رکھی تھی۔ ان کے گھیرے سے نکل کر کچھ دُور دوڑنے کے بعد اس نے ایک چکر کاٹا۔ سڑک سے نیچے اُترا اور ان سے کافی فاصلے پر رہتے ہوئے پھر شہر کی طرف بڑھا۔ اب وُہ اس کی چال سمجھے۔ اسے روکنے کے لیے ان میں سے دو نے حرکت کی، لیکن فارُوق فوراً اُن کے راستے میں آ گیا:

"نہیں دوستو۔ اب تم میری لاش پر سے گزر کر ہی اس طرف جا سکو گے۔"

اس نے یہ کہتے ہی بھالے کو بالکل اپنے والد کے انداز میں

گھمانا شروع کیا۔ فرزانہ پہلے ہی یہ کام شروع کر چکی تھی۔ نتیجہ یہ کہ جلد ہی محمود نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ محمود کا خیال دل سے نکال کر ان کے خلاف ڈٹ گئے، لیکن پھر فوراً ہی ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

"وُہ۔ وُہ شہر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو ہم مارے گئے۔"

"ہاں! اب ہمیں کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ پوری آبادی کو گرفتار کر لیا جائے گا۔" دوسرا بولا۔

"اس وقت اگر ہمیں کوئی بچا سکتا ہے تو پُجاری جی۔"

"تو پھر آؤ۔ انھیں فون کریں۔ اب ان دو سے لڑ کر کیا کریں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے جیپ کی طرف دوڑ لگا دی، اپنے بھالے بھی وہیں پھینک گئے۔

"ارے ارے۔ اپنے بھالے تو لیتے جاؤ۔" فاروق نے ہانک لگائی، لیکن وہ تو اس طرح دوڑ پڑے تھے جیسے موت ان کے تعاقب میں ہو۔

"اب ہم کیا کریں؟"

"چلو۔ ابا جان کی مدد کریں۔ اللہ جانے۔ وُہ کس حال میں ہوں گے۔"

دونوں واپس دوڑ پڑے۔ کم از کم اب انھیں ایک اطمینان

تھا۔ یہ کہ محمود اب مدد لے ہی آئے گا۔ ایک جگہ انہیں جمگھٹا نظر آیا۔ بھالے اس طرح چمک رہے تھے جیسے ان کا کھیت اُگ آیا ہو۔

" ابھی مُقابلہ جاری ہے۔ اس کی اِطلاع درست نہیں تھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

" لیکن یہ عین ممکن ہے۔ ابّا جان زخمی ہو گئے ہوں۔"

" ہوں۔ آؤ ان پر حملہ کر دیں۔ یہ ہماری طرف سے بے خبر ہیں۔ کئی ایک کو تو لے ہی بیٹھیں گے۔"

دونوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے اکثر بوکھلا کر مُڑے۔ اور ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اب محاذ دو حِصّوں میں بٹ گیا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے محسوس کیا۔ اب ان کے گرد حملہ آوروں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد ہوائی فائروں کی آوازوں سے آبادی گونج اُٹھی۔ بے شمار پولیس گاڑیاں دندناتی ہوئی آبادی کے گرد آ رکیں۔ ان میں سے بہترین لڑاکا سپاہی آبادی کے چاروں طرف پھیل گئے۔ اور پھر ایک دستہ محمود کے ساتھ اس سمت میں بڑھا جس طرف جنگ ہو رہی تھی۔ رائفل بدست اس دستے کو دیکھ کر ہندوؤں میں بھگدڑ مچ گئی۔ جلد ہی میدان صاف

تھا اور وہاں صرف انسپکٹر جمشید، فاروق اور فرزانہ کھڑے تھے۔ انھوں نے دیکھا، تینوں ہی بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ سب سے زیادہ بُرا حال انسپکٹر جمشید کا تھا۔ ان کے جسم پر تو بے شمار زخم آئے تھے۔ ان سے خون رس رہا تھا اور ان کے تمام کپڑے خون سے تربتر ہو چکے تھے۔

○

" انکل۔ ابّا جان کو فوراً ہسپتال لے جائیے۔"

" اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ ہاں پٹیوں کے لیے ڈاکٹر کو یہیں بلوا لو۔" انھوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

" لیکن کیوں ابّا جان۔ اب یہاں آپ کی موجودگی کی ایسی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

" ضرورت ہے۔ تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ اکرام ڈاکٹر کو فون کر دو۔"

" اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور فون کرنے لگا۔ ادھر لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہو رہا تھا:

" آبادی کے تمام غیر مسلم اپنے ہتھیار پھینک کر گھروں سے نکل آئیں۔ اور گرفتاری دے دیں۔ صرف ان لوگوں کو گرفتار کیا جائے گا

جنھوں نے انسپکٹر صاحب اور ان کے بچّوں پر حملہ کیا۔ باقی لوگوں
کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور اگر باقی لوگ حملہ آوروں کی گرفتاری
میں مدد کریں تو حکومت ان کا شکریہ بھی ادا کرے گی ۔ ہم
صرف پندرہ منٹ تک انتظار کریں گے ۔ اس کے بعد آبادی پر
عام حملہ کر دیا جائے گا اور اس صورت میں وہ لوگ بھی نہیں بچ
سکیں گے جنھوں نے حملہ نہیں کیا۔"

ابھی یہ اعلان ہو رہا تھا کہ ایک گھوڑا گاڑی آکر رُکی اور اس
میں سے پجاری جی اپنے عصا کا سہارا لے کر نیچے اترے۔ وہ پہلے
کی نسبت کافی بوڑھے نظر آ رہے تھے۔

"یہ - یہ کیا ہو رہا ہے جناب ؟" وہ آئی جی صاحب کی طرف
بڑھتے ہوئے بولے۔

"آئیے پجاری جی - آپ کو معلوم تو ہو ہی گیا ہو گا۔" آئی جی
نے کہا۔

"ہاں ، لیکن ان لوگوں کو ہو کیا گیا تھا - انھوں نے یکایک
انسپکٹر صاحب پر حملہ کیوں کر دیا۔ وہ ان کی بستی میں ہی آ گئے
تھے نا - اور تو کوئی بات نہیں ہوئی تھی ؟"

"بات تو اتنی سی ہی تھی - ان لوگوں نے اگر کسی کے ساتھ
زیادتی بھی نہیں کی تھی ، پھر بھی انھوں نے یہ حرکت کی - آخر
کیوں ؟"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے بات کروں۔" پجاری نے
کہا۔

"ہم نے پندرہ منٹ کی مہلت دی ہے - جو کچھ کرنا ہے - اس
سے پہلے پہلے کر لیں - پندرہ منٹ بعد ہم گرفتاری شروع کر دیں
گے۔"

"آپ ٹھہریں - میں ابھی آیا۔"

پجاری جی پھر اپنی گھوڑا گاڑی میں سوار ہو گئے اور آبادی کی
طرف روانہ ہوئے ـــ

"پجاری جی بھلا ان سے کیا بات کریں گے۔" محمود نے منہ بنایا۔

اسی وقت ایک لمبی کار آکر رُکی ، اس میں سے خان رحمان،
پروفیسر داؤد اور بچے اُترے - ان پر نظر پڑتے ہی خان رحمان بول
اُٹھے :

"جن لوگوں نے میرے دوست کی یہ حالت بنائی ہے ، میں انھیں
ہر گز معاف نہیں کروں گا۔"

"اوہو - تو تم بھی آ گئے خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"صرف میں ہی نہیں - پروفیسر صاحب بھی آئے ہیں اور بچے بھی۔"
خان رحمان بولے۔

"اوہ ـــ"

"بھابھی بھی آنے کے لیے بے چین تھیں - میں نے بہت مشکل

سے انھیں روکا۔

" اور اچھا ہی کیا۔" انھوں نے کہا۔

اسی وقت ڈاکٹر صاحب آ پہنچے ۔ ایک جیپ کی سیٹ نکال کر انھیں لٹا دیا گیا اور مرہم پٹی کا کام شروع ہوا ۔ ٹھیک دس منٹ بعد پجاری جی واپس آتے نظر آئے اور قریب آکر بولے :

" پوری آبادی اس واقعے پر شرمسار ہے ۔ اور معافی مانگتی ہے ۔"

" یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔ بھالوں سے چار مسلمانوں پر دن دہاڑے حملہ کیا گیا ۔ اگر ہم اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہ ہوتے تو اس وقت لاشوں کی صورت میں یہاں پڑے ہوتے ۔ لہٰذا جن لوگوں نے حملہ کیا ۔ انھیں تو گرفتاری دینا ہو گی ۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس نے ان لوگوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا ، سب سے پہلے اسے گرفتار کرنا چاہیے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" جی کیا مطلب ۔ حملہ کرنے کا حکم ۔" محمود حیران ہو کر بولا ۔

" ہاں بھئی ۔ حملہ کرنے کا حکم ۔ جب ہم آبادی میں داخل ہوئے ۔ پوری آبادی بالکل پُر سکون تھی ۔ ہمیں اندر داخل ہوتے بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا ، لیکن کسی نے بھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا ، پھر اچانک ان لوگوں کو حملے کی کیوں سوجھ گئی ۔ اس لیے ۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ انھیں تو دراصل حملہ کرنے کا باقاعدہ

حکم دیا گیا تھا ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکم کس نے دیا تھا ۔ ہم یہاں رائے راج سے ملنے آئے تھے ۔ رائے راج کا پتا ہمیں معلوم نہیں تھا ، اس لیے ہم مندر پہنچے ۔ وہاں مرلی رام سے رائے راج کا پتا معلوم کیا ، لیکن اسے معلوم نہیں تھا ۔ اس نے کہا کہ ہمیں تو سیدھا ہندو آبادی جانا چاہیے تھا ۔ اسی دوران پجاری جی سے ملاقات ہوئی ، پھر ہم یہاں آ گئے ۔ گویا ہمارے اس آبادی کا رُخ کرنے کے بارے میں یا تو مرلی رام کو پتا تھا یا پھر پجاری جی کو ۔ مرلی رام تو آبادی کے لوگوں کو یہ حکم دینے کی حیثیت نہیں رکھتا ۔ اس لیے صاف ظاہر ہے ۔ حملے کا حکم پجاری جی نے دیا تھا ۔ گویا اصل مجرم یہ ہوئے ۔ نہ کہ پوری آبادی ۔ ہاں ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کرنا ہو گا جنھوں نے حملہ کیا تھا ۔"

" یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔" پجاری نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔

" کیا آپ کے خیال میں مَیں غلط کہہ رہا ہوں ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" بالکل ۔ آخر مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔" پجاری جی نے بُرا سا مُنہ بنایا ۔

" ایسا ہی کیا ۔ اس وقت تک شہر میں جتنے بھی ہنگامے ہوئے ،

سب آپ کے اشارے پر ہوئے ہیں۔"

"یہ ۔ یہ کیا بات ہوئی ۔ مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ میں تو ہندو آبادی کو پُرسکون رکھنے کی سر توڑ کوشش کرتا رہا ہوں ۔ اور یہ میری کوششیں ہی تھیں جن کی وجہ سے امن بحال رہا۔"

"تو آپ اسے امن بحال رہنا کہتے ہیں ۔ واہ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"اب اگر آپ میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"غلط فہمی ۔ غلط فہمی میں تو آپ مبتلا ہیں ، لیکن میں حیران ہوں ۔ آپ کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لیجیے گا کہ اس وقت یہاں دُنیا بھر کے اخبارات کے رپورٹر موجود ہیں ۔ صبح کے اخبارات یہاں ہونے والی کارروائی کی پوری تفصیل شائع کریں گے۔"

"کیا مطلب ۔ مجھے کچھ سوچنے کی بھلا کیا ضرورت ہے ۔ اگر یہاں غیر مُلکی اخبارات کے رپورٹر موجود ہیں تو مجھے اس سے کیا ۔ اور میں نے کیا کیا ہے ۔ آپ کا اشارہ آخر ہے کس طرف۔" پجاری نے کہا ۔

"ہیرے کی چوری کی طرف ۔ ہیرا دراصل آپ نے چُرایا ہے۔"

پکٹر جمشید ایک دم بولے ۔

"کیا کہا ۔ ہیرا میں نے چرایا ہے ۔ اس سے زیادہ بکواس بات ں نے آج تک نہیں سُنی۔" پجاری جی نے کڑوا سا منہ بنا کر کہا ۔

"نہ سُنی ہو گی ۔ آج تو آپ کو سننا ہی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید سکرائے ۔

"دیکھیے جناب ۔ بات کو گھما پھرا کر بیان نہ کریں ۔ صاف صاف کہیں ۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ ہیرا دراصل آپ نے چُرایا تھا ۔ رائے راج کو ہدایات ری تھیں کہ امجد امیر کے ہاں آنا جانا زیادہ کر دے ، پھر اسے مندر تک کھینچ لائے ۔ اس غرض کے لیے ہندو مذہب کی کتابیں بھی اسے پڑھنے کے لیے دے ۔ چنانچہ رائے راج نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ۔ اور اسے مندر تک لانے میں کامیاب ہو گیا ، پھر رائے راج کے ذریعے اسے بے ہوش کر کے اس کا خون حاصل کیا اور رات کے وقت ہیرا مورتی کی آنکھ سے اُتار کر اس جگہ امجد امیر کا خون لگا دیا ۔ تاکہ مجرم وہی نظر آئے ۔ اور آپ پر کوئی شک نہ کر سکے ۔ پھر ہیرے کے نام پر شہر میں ہنگامے بھی آپ ہی کے اشارے پر ہوئے ۔ مطلب صرف یہ تھا کہ ہمارا پڑوسی دشمن مُلک ان حالات کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے ۔

اور ہندوؤں کے حقوق کے لیے جنگ کی دھمکی دے دے۔ ساتھ
ہی ہیرا برآمد کرنے کے معاملے کو خوب اچھالا جائے۔ اور ہیرا کہیں
سے نہ ملے۔ تاکہ اس کو آڑ بنا کر دشمن ملک حملہ کر دے۔ کیوں۔
یہی منصوبہ تھا، لیکن میرا سوال اب بھی اپنی جگہ پر ہے۔ آپ نے
یہ سب کچھ کس کے اشارے پر کیا۔ کیا ہمارے پڑوسی دشمن ملک کے
اشارے پر۔"

"میں نے کچھ کیا ہو تو کچھ بتاؤں بھی۔ آپ اندازے لگانے میں
آزاد ہیں۔ جتنے جی چاہے اندازے لگائیے۔" پجاری جی نے مُنہ بنایا۔

"گویا آپ کو انکار ہے۔ آپ کا ان سب باتوں، ان سب
معاملات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔"

"ہاں۔ میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور ہیرا بھی آپ نے نہیں چُرایا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنے مندر کی دیوی کا ہیرا کس طرح چُرا
سکتا ہوں۔ اس سے بڑا پاپ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"لیکن میرا دعویٰ ہے۔ ہیرا آپ نے ہی چرایا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو آپ ثابت کر دیں۔"

"بہت بہتر۔ محمود۔ ثابت کر دو کہ ہیرا انھوں نے خود ہی چرایا
تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا فرمایا۔ میں ثابت کر دوں۔"

"ہاں۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"جی۔ ضرور کر سکتا ہوں۔ کر کیوں نہیں سکتا۔"

"صرف محمود ہی نہیں۔ میں اور فرزانہ بھی ثابت کر سکتے ہیں۔"
فاروق نے منہ بنایا۔

"ہوں! تو پھر کرو ثابت؟" پجاری نے چیخ کر کہا۔

"مہربانی فرما کر اپنا عصا مجھے دے دیں۔" محمود پُرسکون آواز
میں بولا۔

"کیا مطلب!" پجاری جی حیرت زدہ انداز میں چلّا اُٹھے۔

"میں نے کہا ہے۔ اپنا عصا مجھے دے دیں۔"

"کیوں۔ تم عصا کا کیا کرو گے۔"

"کم از کم اس کا سہارا نہیں لوں گا، کیونکہ اس کا سہارا
بہت کمزور ہے۔ آدمی سہارا لے تو صرف اللہ کا۔"

"تب پھر۔" پجاری جی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ عصا مجھے دے دیں نا۔ انکل یہ اس طرح نہیں دیں
گے۔ ان سے لے کر مجھے دے دیں۔"

اکرام آگے بڑھا اور عصا پجاری جی کے ہاتھ سے چھین کر محمود
کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے عصا کو بغور دیکھا اور پھر اس
کا دستہ پکڑ کر اُلٹا گھمایا۔ وہ اس طرح گھوما جیسے کوئی پیچ دار چیز
گھومتی ہے۔ دوسرے ہی لمحے دستہ اس کے ہاتھ میں کسی ڈھکنے کی

طرح آگیا۔ اس نے چھڑی کو اُلٹ دیا اور بولا :

" لیجیے۔ یہ رہا ہیرا۔"

وہاں موجود سبھی لوگوں کے منہ حیرت زدہ انداز میں کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔

وجہ کی تلاش

" اف خدا۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" آئی جی صاحب بڑبڑائے۔

" ان حالات کا اندازہ میں نے بہت پہلے ہی لگا لیا تھا۔ امجد امیر صاحب کو تو صرف نمائش کے طور پر پکڑا تھا۔ تاکہ یہ حضرت بے فکر ہو جائیں اور بے فکری میں مار کھا جائیں۔ بُت پر امجد امیر کا خون اسی لیے لگایا گیا تھا کہ حالات خراب سے خراب تر ہو جائیں، لیکن ہیرا نہ ملے۔ اور اس پر کسی کا شک تک نہ جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بجاری صاحب نے آخر ایسا کیوں کیا۔ کیا صرف ہیرے کے لالچ میں۔ تو یہ بات حلق سے نہیں اُترتی۔ ہیرے کے لالچ میں اتنے فسادات کرانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مقصد کچھ اور ہے، شاید ہمارے دشمن مُلک نے اسے اشارا کیا ہو کہ یہ حرکت کر ڈالے۔ تاکہ اسے حملہ کرنے کا جواز مل جائے، لیکن وہ تو اس جواز کے بغیر بھی جب چاہے حملہ کر سکتا ہے۔ طاقتور مُلک جب اپنے سے کمزور اور چھوٹے مُلکوں پر حملہ کرتے ہیں تو انھیں کوئی نہیں پوچھتا۔ ہاں، اگر

کمزور اور چھوٹے ملک حملہ کر دیں تو ان کی زیادتی پر سبھی چیخ پڑتے
ہیں۔ لہٰذا اگر ہمارا دشمن ملک حملہ کرنے کی ٹھانے بیٹھا ہے تو
اسے یہ ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لیے یہ وجہ بھی اگرچہ
ذہن میں آتی ہے، لیکن ہے بہت کمزور، پھر طاقت ور وجہ کیا
ہے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"طاقت ور وجہ۔ ابا جان۔ اب وجوہات بھی طاقت ور ہونے لگیں۔"
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی۔ کیوں نہیں۔ اس طاقت ور وجہ کی تلاش میں ہمیں
پجاری جی کے مندر والے کمرے کی تلاشی لینا ہو گی۔ اکرام۔ یہ کام تم
کرو گے۔ اور اگر تم ناکام رہے تو پھر ہمیں یہ کام کرنا ہو گا۔ ہم
پہلے ہی زخمی ہیں، لہٰذا کوشش کرنا کہ وجہ تلاش کر ہی لاؤ۔"

"جی بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے کہا اور اپنے چند ماتحتوں
کو لے کر رخصت ہو گیا۔ اس کی واپسی ایک گھنٹے بعد ہوئی۔ اس
کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔ اس وقت تک ان سب کو ایک
سائے دار جگہ پہنچایا جا چکا تھا اور کوئی بھی واپس نہیں گیا تھا۔
کیونکہ انھیں طاقت ور وجہ کا انتظار تھا۔

"تو تم وجہ تلاش کر لائے۔"

"یس سر۔ یہ لیجیے۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذات آئی جی صاحب
کی طرف بڑھائے۔

"بھئی۔ جمشید کو ہی دو۔ یہ انھی کا حق ہے۔ انھی کی کوششوں کا نتیجہ
ہے۔" وہ بولے۔ اور اکرام نے کاغذات ان کی طرف بڑھا دیے۔

"شکریہ سر!" انھوں نے کہا اور کاغذات پر نظریں جما دیں۔
وہ جلدی جلدی انھیں پڑھتے چلے گئے۔ آخر سر اوپر اٹھایا اور بولے:

"معما حل ہو گیا سر۔ یہ ہمارے دشمن ملک کی شرارت نہیں۔
بلکہ ایک اور بڑے ملک کی شرارت ہے۔ پجاری جی دراصل اس
ملک کے ایجنٹ ہیں اور انھوں نے اس ملک کے حکم کے مطابق ہی
یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ بڑا ملک چاہتا ہے کہ ان دونوں ملکوں میں
جنگ چھڑ جائے۔ اس جنگ سے وہ ایک تو اپنا اسلحہ دھڑا دھڑ
فروخت کرے گا۔ دوسرے یہ دونوں ملک جنگ کی وجہ سے کمزور ہو
جائیں گے۔ وہ دونوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ آہستہ آہستہ
انھیں اپنی مٹھی میں لیتا چلا جائے گا، یہ ہے کل قصہ۔"

"ہوں! یہ اچھا ہی ہوا کہ یہاں غیر ملکی اخباری رپورٹر بھی موجود
ہیں، ورنہ ہمارا دشمن ملک خیال کرتا۔ ہم نے اپنے ملک کی ہندو
آبادی پر ظلم کیا ہے۔ اس آبادی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ یہ
بے چارے تو پجاری جی کے اشاروں پر ناچ رہے تھے، تاہم ان
کا معاملہ قانون کے حوالے ہے۔" آئی جی صاحب نے پُرسکون آواز
میں کہا۔

"یہ سب باتیں ان کے سامنے آ جانے کے بعد ان کی آنکھیں خود بخود

گھل جائیں گی۔" ایک غیر ملکی اخباری رپورٹر نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ واپس جا رہے تھے۔ ان کی جیپ ہسپتال کا رُخ کر رہی تھی، کیونکہ ڈاکٹروں کے خیال کے مطابق انسپکٹر جمشید کے لیے چند دن ہسپتال میں گزارنا ضروری تھا۔

"ابا جان تو اب رہیں گے چند دن تک ہسپتال میں، سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں گے۔" محمود منمنایا۔

"عیش۔ اس کے سوا ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی کیس ہمیں اُلجھا لے اور ہمیں ابا جان کی مدد کے بغیر اسے حل کرنا پڑے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ارے باپ رے۔ ایسے کیس سے تو ہم بے کیس ہی بھلے۔" فاروق نے ہانک لگائی اور وہ مسکرانے لگے۔

ہیرا دیوی کا انعامی سوال!

س: رائے راج اپنے خط میں اور کے بعد کیا لکھنا چاہتا تھا؟

○

مبلغ ۲۵۰ روپے کا نقد انعام موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کے بعد دیا جائے گا۔ آپ اپنا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھ کر بھیجیں۔ اس کاغذ پر اپنا پتا ضرور لکھیں۔ ہر جواب کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں، لیکن تمام جوابات ایک ہی لفافے میں ارسال کریں۔ — شکریہ!

(ادارہ)